بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد گار: امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا دینی، علمی، اصلاحی و ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

نومبر ۲۰۱۵

جلد نمبر ۱۷

شمارہ نمبر ۴

سلسلہ نمبر ۱۶۸

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:

فی شمارہ-/15 سالانہ-/150

خصوصی-/1000

تاحیات-/10000

بیرونِ ملک:

سالانہ:20امریکی ڈالر

خصوصی:100امریکی ڈالر

تاحیات:500امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند247554(یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 09412496763-08006075484

ای۔میل: jimask94@gmail.com, ahmadanzarshah@gmail.com

ورق درورق



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصریات

✤ سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

منیٰ میں حج بیت اللہ کے مناسک کی ادائیگی کے اوقات میں خوفناک حادثہ پیش آیا جس میں شہداء کی تعداد مختلف ذرائع کے مطابق کم وبیش ۴/ہزار ہے، اس سے پیش تر حرم پاک میں کرین کا حادثہ بھی سخت جان لیوا تھا، ان دوحادثوں کے پیش آنے کے ساتھ ہی عالمی ذرائع ابلاغ نے سعودی حکومت اوراس کے نظم ونسق کوحسبِ معمول نشانہ بنالیا، اس میں تو کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ حج وعمرہ سے متعلق جوانتظامات حجاج ومعتمرین کے لیے حکومت سعودیہ نے حرمین شریفین میں کیے ہیں ان کی نظیر آج تک کوئی حکومت پیش کرسکی اور نہ کرسکتی ہے، لاکھوں افراد کا ایک ہی وقت میں ارض مقدس میں اجتماع، ضروریات زندگی کی فراہمی، قیام وطعام کی سہولتیں، آمد ورفت کے راستے عبادات کی انجام دہی کے شاندار اسباب اپنی مثال آپ ہیں حکومت نے ہرممکن وہ تدابیر اختیار کی ہیں کہ جن سے حوادث پر قابو پایا جاسکے، ان تازہ دوحادثوں سے پیشتر ہی ماضی میں حج وغیرہ کے مواقع پر منیٰ، جمرات، وغیرہ میں حادثات پیش آئے ہیں، جن کے تجربات کے پیش نظر حکومت نے ان حساس مقامات پر بہترین انتظامات کیے جن سے مستقبل میں یہ صورت حال پیش نہ آسکے، چناں چہ ''جمرات'' پر گذشتہ ۹/سالوں سے الحمدللہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا اور یہ حج کی عبادت کا اہم مرحلہ سکون واطمینان کے ساتھ انجام پارہا تھا۔

تشویش کی بات یہ ہے کہ رواں سال میں جو مملکت میں مختلف مقامات پر دھماکے اور خوفناک ہلاکت خیز واقعات پیش آئے ان کے سبب یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ خدانخواستہ یہ منحوس سلسلہ حج کی عبادت اور حرمین تک دراز نہ ہوجائے، چناں چہ ڈھکے چھپے طور پر یہ اطلاعات آئیں کہ ان حادثات میں تخریب کاری اور سازش کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص منیٰ حادثہ پر یہ قیاس آرائیاں تیز ہوگئیں، یہ تو واضح ہے کہ عالمی طاقتوں نے حق کی دولت سے مالا مال اس خطۂ کی گھیرابندی عرصہ دراز سے کررکھی ہے اور گرد وپیش کے ممالک میں عدم استحکام، خانہ جنگی، بدامنی وتخریب کاری، حکومتوں وحکمرانوں میں اٹھاپٹخ قتل وغارت گری ان بدبختوں کی حکمت عملی کا اہم عنصر

ہے،اوراب اگلا قدم خودسرزمین امن وسکون کو اپنے ناپاک اورمنحوس عزائم کی تکمیل کے لیے براہِ راست آماج گاہ بنانا ہے،اسی حکمت عملی کے تحت بیش تر اڑوس پڑوس میں ان عناصر کو حکمرانی کے تخت پر لا بیٹھایا گیا جواسلام بیزار، ضمیر فروش اوران طاقتوں کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں،اس ماحول میں مستقبل تاریک وغیر یقینی اورامید کی ہلکی سی بھی کوئی کرن غائب ازنظراورغیب کے دبیز پردوں کے پیچھے،حق جل مجدہ شہداء کے درجات بلنداورحرمین کی حفاظت تمام فرمائے۔



وطن عزیز میں بھی پے بہ پے تیزی کے ساتھ صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے یوپی کے دادری میں شر پسند عناصر بل کہ اکثریتی دہشت گردی کے سبب ۲۸/ستمبر کو شہید اخلاق کے جنازہ کے ساتھ بھائی چارہ،امن وآشتی باہمی اعتماد ویقین،گنگا جمنی تہذیب،شرافت وانسانیت لحاظ ومروت برداشت وبردباری ان تمام اجتماعی زندگی اور پُر سکون معاشرہ کے اہم اجزاء کی چتا کو بھی راجدھانی سے قریب شمشان گھاٹ پر آگ دکھادی گئی،جس دہشت گردی کا آغاز بابری مسجد کے انہدام سے ہوا تھا،دادری میں وہ اپنے نقطۂ عروج پر نظر آئی جن سنپولیوں کو آرایس ایس اور ہندومہا سبھا جیسی تنظیموں نے دودھ پلا پلا کر اجگر بنایا تھا وہ اب پورے ملک میں امن وآشتی کے لاشہ کو نگلنے کے لیے تیار ہیں،اکثریتی انتہا پسندی اپنے عروج پر ہے،نفرت وعداوت،تعصب وبربریت اپنے شباب پر۔حکمراں طبقہ ان تمام کارروائیوں کا شریک وسہیم،قاتلوں اور بلوائیوں کو کھلی چھوٹ،نفرت اور تعصب کے بیوپاریوں کی حوصلہ افزائی،غنڈوں اور بدمعاشوں کو تمغے،غارت گراں امن وشانتی کو فری لائسنس، شاید ان باطل حکمرانوں کی سوچ وفکر کا نقطۂ عروج یہ کہ اس ملک میں حکومت کرنے کا صرف اورصرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اقلیتوں کا کھلے عام قتل کا پرمٹ جاری کردیا یہ پرمٹ کبھی آستھا کے نام پر،کبھی گائے ماتا کے تحفظ کے نام پر گاہے وندے ماترم گاہے یونیفارم سول کوڈ،اورنہ معلوم کس کس عنوان سے مفت تقسیم کیا جارہا ہے۔

اس غرورِ حکومت اور تکبرِ حکمرانی کی ہلاکت انگیز خباثت نے ملک کے وقاراس کے بین الاقوامی کردار کو بھی پس پشت دے مارا،یہاں کے سطحی فکر اور پست ذہنیت ودنی الطبع حکمراں اس قدر بےفکر ولاپرواہ کہ ان کو نہ اب اندرونِ ملک پاکیزہ فکر اور باوقار قلمکاروں،ادیبوں اور مفکروں کی اپیل سنائی دیتی نہ دُہائی،اقتدار کے مکروہ چہرے پر انعامات وایوارڈ حاصل کرنے والوں کے بھاری بھرکم طمانچے بھی غیر مؤثر، نہ بیرون ملک عالمی پلیٹ فارم اوراس سے خطاب کرنے والے قدآور لیڈروں کے تبصرے وبیانات ان کی روش پر اثر انداز،گویا کہ صمٌ بکمٌ عمیٌ کی واضح تفسیر وتصویر ہمارے سامنے ہے اور فھم لایرجعون بھی طے شدہ فیصلہ ہے۔



بہار کے الیکشن کے دو مرحلے گزر چکے، چند ایک مراحل باقی ہیں آثار وقرائن بتارہے ہیں کہ ''عظیم اتحاد'' کو سبقت حاصل ہے اور حریف اوّل این، ڈی، اے کو ہزیمت کا سامنا ہے، اگر ایسا ہوا تو یقیناً فرقہ پرست بی جے پی کو اپنی فرقہ پرست پالیسی پر غور کرنا ہوگا، یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اقلیتوں کو نظر انداز بلکہ ان کے حقوق کو ہڑپ کر کے ان پر ظلم روا رکھ کر ان کی جان و مال کو تحفظ دیئے بغیر نہ حکومت چلائی جاسکتی اور نہ ملک میں امن وچین قائم کیا جاسکتا، یہ بات خود بی جے پی کے راہ نما بلکہ مارگ درشن ایڈوانی بھی کہہ چکے، پایۂ تخت دہلی کے ناک کے نیچے فرید آباد میں دلت خاندان کو نذر آتش کیا گیا جہاں صوبہ میں حکومت بی جے پی کی ہے اور کسی اور کے ذریعہ نہیں بل کہ اعلیٰ ذات ہندوؤں کے ہاتھوں بربریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان جنونیوں نے ۲؍کم سن بچیوں کی جان لے لی موجودہ اقتدار میں شرپسندوں اور قاتلوں کے حوصلے ہمالیہ کی بلندیوں کو چھورہے ہیں، اس جنون میں وہ حق وناحق اچھے یا برے خیر وشر میں کوئی تمیز نہیں کررہے ہیں ہر شعبہ زندگی میں بے ہودگی بے شرمی وبے لگامی کی نئی رسمیں ایجاد کررہے ہیں ممبئی میں کلکرنی کی چہرے پر عین تقریب کے درمیان سیاہی پوت دی گئی اسی طرح کشمیر کے انجینئر رشید کو خود راجدھانی میں پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے نشانہ بنایا گیا عدم رواداری، مذہبی جنون وتشدد کا بول بالا ہے، بلاشبہ آزاد ہندوستان میں یہ ماحول پہلی بار دیکھا جارہا ہے جس کی تیاری میں سنگھ پریوار نے نصف صدی سے زائد عرصہ محنت کی ہے اب اس فصل کے کڑوے پھل ہمارے سامنے ہیں مگر یہ پالیسی ساز ملک کو کس اندھے کنویں کی جانب لے جارہے ہیں اس کا ان کو ادراک نہیں۔



واقعۂ قرطاس کی حقیقت

افادات : امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ
✦ مرتب : فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ

میں کچھ واقعۂ قرطاس پر گفتگو کرتا ہوں، میری یہ گفتگو تمہید میں چند چیزوں پر مشتمل ہوگی۔

(۱) رسول اللہ ﷺ اظہارِ حق کے لئے مامور ہیں۔

(۲) آپ ﷺ نے اس فریضہ کی ادائیگی مکمل طور پر فرمائی۔ واقعات شاہد ہیں کہ آپ ﷺ سے بعض اوقات کافر حلقے نے وحی متلو میں ترمیم کی درخواست کی جو نا قابل قبول ٹھہری، کبھی آپ ﷺ کو منصبی فریضہ کی ادائیگی سے روکنے کے لئے دنیاوی مال ومنال کی طمع دی گئی۔ کبھی خوف زدہ کیا گیا تو گاہ اس وقت کا عظیم عہدہ پیش کیا گیا لیکن آپ ﷺ نے حقارت سے ٹھکرادیا۔ آپ ﷺ کی ان ہی خصوصیات کا اظہار حضرت عائشہؓ کے اس بیان میں ہے کہ تم سے جو شخص تین باتیں کہے، اس پر ہرگز اعتماد نہ کرنا ان تین میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی میں کچھ کاٹ چھانٹ کردی ہے، اسے ہرگز تسلیم نہ کرنا اسے قرآن کریم نے بھی اپنے اسلوب میں بیان کیا ہے۔ وماھو علی الغیب بضنین.

(۳) آپ ﷺ کی غیر معمولی شجاعت، وہ موقع یاد کیجئے کہ جب عمرؓ ایک خاص انداز میں ''دار ارقم'' پہنچے ہیں اور اندر سے جھانکنے والے کے اس بیان پر کہ عمرؓ ہیں شمشیر بدست، آنکھیں شعلہ بار وغیرہ تو عام حاضرین پر یہ سن کر سراسیمگی طاری ہوگئی، اس وقت میں آپ کے قلبی ودماغی اطمینان کا مظہر یہ ارشاد کہ ''آنے دو اگر خیر کے ارادے سے آئے ہیں تو پذیرائی ہوگی اور اگر کسی برے ارادے سے آئے ہیں تو بخدا ان ہی کی تلوار سے ان کی گردن کاٹ کر ان کے سینہ پر رکھ دوں گا، آپ کی غیر معمولی شجاعت کا آئینہ دار ہے۔

(۴) ایک عمرؓ نہیں عربوں کھربوں عمرؓ بھی آپ ﷺ کو اظہارِ حق سے نہیں روک سکتے، خود عمر کی مزاحمت کے واقعات ہیں جیسا کہ رئیس المنافقین کی نماز جنازہ وغیرہ کہ عمرؓ کی بہ شدت رکاوٹ کے باوجود آپ ﷺ جنازہ کی نماز سے نہیں رکے اگرچہ آپ ﷺ یہاں نماز جنازہ پڑھانے کے منجانب اللہ مکلّف نہیں تھے۔ تاہم بتانا یہ ہے

کہ آپ ﷺ نے عمرؓ کی مزاحمت سے اپنا ارادہ نہیں بدلا۔

(۵) عمرؓ نے بعض مواقع پر بعض چیزیں چاہیں مثلاً پردے کا اہتمام یا بندش شراب وغیرہ آپ ﷺ نے عمرؓ سے یہی فرمایا کہ مجھے ابھی اس کا حکم نہیں ملا۔

(۶) تمام کفار مکہ اور اسلام خلاف طاقتوں کا اجتماع آپ ﷺ کو متاثر نہ کر سکا۔ آپ ﷺ کا عدم تاثر آپ ﷺ کی تاریخ ساز شجاعت، بلند حوصلگی، اعلیٰ تدبیر و تدبر کا مظاہرہ ہے۔

(۷) اسی مرض الوفات میں غلط تشخیص و تجویز پر جو آپ ﷺ کو دوا استعمال کرائی گئی قدرے افاقہ پر آپ ﷺ کا اس پر ردعمل، اگر قرطاس کے واقعہ میں آپ ﷺ عمرؓ کے اقدام کو غلط سمجھتے تو بعد میں اس کی تلافی ضرور فرماتے۔ دراں حالیکہ آپ ﷺ بعد میں حیات رہے ہیں حالاں کہ آپ ﷺ کی مشہور عالم شجاعت یقین دلاتی ہے کہ اگر آپ ﷺ اس تحریر پر منجانب اللہ مامور تھے تو عمرؓ کی رکاوٹ ہرگز کامیاب نہ ہوتی۔

(۸) یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا کہ خلافت سے متعلق ہی کچھ لکھوانا چاہتے تھے، مزید یہ کہ علیؓ کے حق میں خلافت کی تحریر پیش نظر تھی، کہا جا سکتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کا منشاء مبارک یہی تھا تو آپ ابوبکرؓ کے حق میں لکھواتے، جس کے قرائن بہت ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تم اپنے بھائی اور والد کو بلا لو تو میں کچھ لکھوا دوں تاکہ بعد میں کوئی آرزومند غلط کوشش نہ کرے، یہ روایت صحیحین میں ہے۔ اس سے واضح ہے کہ آپ تحریر خلافت ابوبکرؓ ہی کے حق میں لکھنا چاہتے تھے۔

(۹) مریض کو بحالتِ مرض اس کی سہولت و راحت کا اہتمام کرنے والا مخلص قرار دیا جائے گا نہ کہ منافق۔

اب سنئے کہ اس تحریر کے واقعہ پر شیعوں نے سب سے زیادہ ہنگامہ اٹھایا وہ جس انداز میں اسے پیش کرتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ انجام کار رسول اللہ ﷺ کی معروف شجاعت، اظہارِ حق کی جرأت اور ادائیگی فریضۂ نبوت میں کسی سے متاثر نہ ہونے کی مشہور روایت مشتبہ ہوتی ہے اس لئے یہ واقعۂ تحریر گوناگوں وجوہ کی بنا پر ناقابل قبول ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کہ اس واقعہ کے بعد چند دن حیات رہے ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ اگر تحریر خلافت برائے علیؓ پر آپ منجانب اللہ مامور تھے تو اسے نہ لکھواتے؟ میں کہتا ہوں کہ میں نے خود شیعہ لٹریچر سے اس واقعہ کی تردید میں کم از کم سو ایسی روایتیں حاصل کی ہیں جو شیعوں کے اس ہنگامہ بازی کی شافی تردید کرتی ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کا یہ افادہ بھی جو آپ نے ازالۃ الخفاء اور عروۃ العینین میں قلم بند کیا ہے پیش نظر رہے کہ چاروں خلفاء کی خلافت قطعی اور شیخین کی خلافت جلی ہونے کے ساتھ ساتھ قطعی بھی اور دو داما دوں یعنی عثمانؓ و علیؓ کی خلافت قطعی تو ہے لیکن اتنی جلی نہیں جیسا کہ شیخین کی ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اس فرقۂ ضالہ کی تردید میں تحفۂ اثنا عشریہ تصنیف فرمائی، جس کا قاطع جواب مخالفین سے آج تک نہ بن پایا۔ ملّا کابلی کی الصواعق بھی اسی پایہ کی کتاب ہے۔

"**فخرج ابن عباسؓ**" بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس آں حضور ﷺ کی مجلس سے نکلے اور پھر اپنے ان خیالات کا اظہار کیا حالاں کہ یہ غلط ہے۔ حفاظ احادیث نے صراحت کی ہے کہ واقعہ قرطاس کی مجلس میں ابن عباسؓ نہیں تھے۔ ابن عباسؓ سے روایت کرنے والے عبیداللہ کی موجودگی کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ یہ صاحب تو طبقۂ ثانیہ کے تابعی ہیں۔ بات یہ ہے کہ عبیداللہ اپنے دور کی بات کر رہے ہیں کہ ابن عباس یہ واقعہ سنا کر جب اپنے مکان سے نکلے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ یہ حدیث بخاری میں کتاب الجہاد، ص۴۲۹ اور باب الجزیہ ص۴۴۹ پر موجود ہے۔ اس میں خروج اور ابن عباس کے ان کلمات کا ذکر تک نہیں اور مغازی ص۶۳۸ باب قول المریض ص۸۴۶ کتاب الاعتصام ص۱۰۹۵ میں یہ وضاحت ہے کہ ابن عباسؓ اس واقعہ کو سنانے کے بعد عموماً یہ کلمات فرماتے تھے۔ ابن تیمیہ نے رسالہ رد روافض میں پورے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ کلمات ابن عباس تفصیل سنا کر فرماتے۔ ابن حجرؒ اس واقعہ کی تفصیلات سے رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد کا جواز بتاتے ہیں کیوں کہ عمرؓ اور آپ کے ہم خیال حضرات کی ایک رائے تھی جب کہ دوسرے شریک مجلس طبقہ کی دوسری رائے تھی۔ عینیؒ لکھتے ہیں کہ آں حضور ﷺ کا بروقت کتابت پر اصرار نہ کرنا دوسروں کے لئے اجتہاد کی اباحت ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ عمرؓ جب ایک اجتہاد کر رہے ہیں تو ان کا یہ طریق دوسرے طبقے کے مقابل بہت اونچا ہوگا۔ عمرؓ کے علم وفضل، ان کی فراست اور ان کی معروف احتیاط کی بنا پر ان سے منسوب اجتہاد دوسروں کے اجتہاد پر فائق رہے گا، جس کی دلیل یہ بھی ہے کہ بہت سے مواقع پر قرآن کریم نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی ہے۔ عموماً ان کی تعبیر "موافقات عمرؓ" سے کی جاتی ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعہ حضرت عمرؓ کی رائے کی اصابت القاء کی گئی ہو یا قرآن مجید کی اصولی ہدایات اور آں حضور ﷺ کے سابق ارشادات پر جو ایسے معاملات میں آپ ﷺ محتاط رہنے کی تنبیہ فرماتے ہیں ان پر اعتماد کرتے ہوئے آپ ﷺ نے مزید لکھوانے کی ضرورت نہ سمجھی ہو۔ بہر حال اسے واضح کر چکا ہوں کہ اگر تحریر کے لئے آپ ﷺ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتے تو کوئی طاقت آپ ﷺ کو اس سے روک نہیں سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ آپ ﷺ کی بے نظیر جرأت اور اظہار حق کے لئے بے مثال حوصلہ اس پر شاہد ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ آپ ﷺ اختلافی احکام کے بارے میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے تاکہ بعد میں اختلاف نہ ہو، پھر سمجھا کہ امت کی مستمر ہدایت کے لئے تو سب کچھ ہو چکا، اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ خود ارشاد فرمایا کہ تمہیں ایسے روشن طریق پر چھوڑے جاتا ہوں جہاں رات اور دن برابر ہیں یعنی اجالا ہی اجالا ہے، کوئی اندھیرا نہیں، سب جانتے ہیں کہ صحابہؓ کی آپ نے ایسی جاندار تربیت فرمائی تھی اور ان کو ایسے سانچوں میں ڈھالا تھا کہ ان کا سارا کاروبار باہمی جھگڑے، اختلاف رائے سب کچھ دین کے لئے تھا، اپنے مقصد وغرض کے لئے یہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ اگر کوئی دوسری بات کہی جائے تو اس کا مطلب...... بقیہ ص۲۶ پر

محرم الحرام کی فضیلت اور منکراتِ مروّجہ

✦ مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلوی

ارشادفرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سب روزوں سے افضل رمضان کے بعد اللہ تعالیٰ کا مہینہ محرم ہے (یعنی اس کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا رمضان کے سوا اور سب مہینوں کے روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے) (مسلم شریف) اور جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، اس لئے آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: ''یہ کیا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ بڑا دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اُس کی قوم غرق ہوئی۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس کا روزہ بطور شکر کے رکھا تو ہم بھی اس کا روزہ رکھتے ہیں۔ پس ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تو ہم زیادہ حق دار ہیں موسیٰ علیہ السلام کے تم سے، پھر حضور ﷺ نے اس کا روزہ رکھا اور (دوسروں کو) اس کے روزہ کا حکم دیا۔ (متفق علیہ)

نیز ارشادفرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں امید رکھتا ہوں حق تعالیٰ سے کہ عاشورا کا روزہ کفارہ ہوجاتا ہے اس سال کا (یعنی اُس سال کے چھوٹے گناہوں کا) جو اس سے پیشتر (گزر چکا) ہے۔ (مسلم شریف)

اور حدیث شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم دیا تو انہوں نے (یعنی صحابہؓ نے) عرض کیا کہ یہ ایسا دن ہے جس کو یہود اور نصاریٰ معظم سمجھتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نو تاریخ کو (بھی) ضرور روزہ رکھوں گا (مسلم) اور ارشادفرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ روزہ رکھو تم عاشورہ کا اور مخالفت کرو اس میں یہود کی اور (وہ اس طرح کہ) روزہ رکھو اس سے ایک دن پہلے کا یا ایک دن بعد کا (غرض تنہا عاشورہ کا روزہ نہ رکھو، اس سے ایک دن پہلے کا یا بعد کا ملا لینا چاہئے) اور حدیث شریف میں ہے کہ عاشورہ کا روزہ رمضان (کے روزے فرض ہونے) سے پیشتر (بطور فرضیت) رکھا جاتا تھا۔

پس جب رمضان (کے روزوں کا حکم) نازل ہوا تو جس نے چاہا (عاشورا کا روزہ) رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا (جمع الفوائد) اور ارشادفرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص نے فراخی کی اپنے اہل وعیال پر خرچ میں عاشورہ

کے دن، فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ اُس پر (رزق میں) تمام سال۔ (رزین و بیھقی)

پس یہ دو باتیں تو کرنے کی ہیں: ایک روزہ رکھنا کہ وہ مستحب ہے، دوسرے مصارف میں کچھ فراخی کرنا (اپنی حیثیت کے موافق) اور یہ مباح ہے۔ اس کے علاوہ اور سب باتیں جو اس دن میں کی جاتی ہیں خرافات ہیں، لوگ اس دین میلہ لگاتے ہیں اور حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مصائب کا ذکر کرتے ہیں اور اُن کا ماتم کرتے ہیں اور مرثیہ پڑھتے ہیں اور روتے چلاتے بھی ہیں اور بعض لوگ تو تعزیہ اور علم وغیرہ بھی نکالتے ہیں اور ان کے ساتھ شرک وکفر کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں واجب الترک ہیں، شریعت میں اس ماتم وغیرہ کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ ان سب امور کی سخت ممانعت آئی ہے۔

بعض لوگ اس روز مسجد وغیرہ میں جمع ہوکر ذکر شہادت وغیرہ سناتے ہیں۔ اس میں ثقہ لوگ بھی غلطی سے شریک ہوجاتے ہیں اور بعض اہل علم بھی اس کو جائز سمجھنے کی عظیم غلطی میں مبتلا ہیں۔ درحقیقت یہ بھی ماتم ہے گو مہذب طریقہ سے ہے کہ سینہ وغیرہ وحشی لوگوں کی طرح نہیں کوٹتے لیکن حقیقت ماتم کی یہاں بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور ارشاد فرمایا حق تعالیٰ نے پس جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ چوں کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''اصلاح الرسوم'' میں منکرات مروجہ کی نہایت عمدہ طریق پر تفصیل کے ساتھ اصلاح فرمائی ہے، اس واسطے اصلاح الرسوم باب سوم کی فصل سوم سے عشرۂ محرم کی رسوم قبیحہ کا بیان لکھا جاتا ہے۔ یہ رسوم دو قسم کی ہیں: ایک وہ جو فی نفسہٖ حرام ہیں، دوسری وہ جو فی نفسہٖ مباح تھیں مگر فساد عقیدہ کے سبب حرام ہوگئیں۔ دونوں کو جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

قسم اوّل کے منکرات : (۱) تعزیہ بنانا : اس کی وجہ سے طرح طرح کا فسق وشرک صادر ہوتا ہے۔ بعض جہلاء کا اعتقاد ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اس میں حضرت امام حسینؓ رونق افروز ہیں اور اس وجہ سے اُس کے آگے نذر ونیاز رکھتے ہیں جس کا مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰه میں داخل ہوکر کھانا حرام ہے۔ اس کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑے ہوتے ہیں، اس کی طرف پشت نہیں کرتے، اس پر عرضیاں لٹکاتے ہیں، اس کے دیکھنے کو زیارت کہتے ہیں اور اس قسم کے واہی تباہی معاملات کرتے ہیں جو صریح شرک ہیں۔ ان معاملات کے اعتبار سے تعزیہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہے اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ یعنی کیا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو؟ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ یا تو اس کی بے حد تعظیم وتکریم ہو رہی تھی اور یا دفعۃً اس کو جنگل میں لے جا کر توڑ پھوڑ کر برابر کیا۔ معلوم نہیں آج وہ ایسا بے قدر کیوں ہوگیا، واقعی جو امر خلافِ شرع ہوتا ہے وہ عقل کے بھی خلاف ہوتا ہے۔ بعض نادان یوں کہتے ہیں کہ صاحب اس کو حضرت امام عالی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت ہوگئی اور اُن کا نام لگ گیا، اس

لئے تعظیم کے قابل ہوگیا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ نسبت کی تعظیم ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر جب کہ نسبت واقعی ہو مثلاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کوئی لباس ہو یا اور کوئی ان کا تبرک ہو۔ ہمارے نزدیک بھی وہ قابل تعظیم ہیں اور جو نسبت اپنی طرف سے تراشی ہوئی ہو وہ ہرگز اسبابِ تعظیم سے نہیں ورنہ کل کوئی خود امام حسین رضی اللہ عنہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے تو چاہئے کہ اس کی اور زیادہ تعظیم کرنے لگو، حالاں کہ بالیقین اس کو گستاخ و بے ادب قرار دے کر اس کی سخت توہین کے درپے ہوجاؤ گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نسبتِ کاذبہ سے وہ شئے معظم نہیں ہوئی بلکہ اس کذب کی وجہ سے زیادہ اہانت کے قابل ہوتی ہے۔ اس بناپر انصاف کرلو کہ تعزیہ تعظیم کے قابل ہے یا اہانت کے۔

(۲) معازف و مزامیر کا بجانا : اس کی حرمت حدیث میں صاف صاف مذکور ہے اور باب اوّل میں وہ حدیث لکھی گئی ہیں اور قطع نظر خلافِ شرع ہونے کے عقل کے بھی تو خلاف ہے۔ معازف ومزامیر تو سامانِ سرور ہیں، سامانِ غم میں اس کے کیا معنی؟ یہ تو در پردہ خوشی منانا ہے۔ برچنیں دعوائے الفت آفریں۔

(۳) مجمع فساق و فجار کا جمع ہونا : اس میں وہ فحش واقعات ہوتے ہیں کہ ناگفتہ بہ ہیں۔

(۳) نوحه کرنا : اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لعنت فرمائی ہے رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والے اور اُس کی طرف کان لگانے والے پر۔

(۵) مرثیه پڑھنا : اس کی نسبت حدیث میں صاف ممانعت آئی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔

(۶) اکثر موضوع روایت پڑھنا : اس کی نسبت احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

(۷) ان ایام میں قصداً زینت ترک کرنا : جس کو سوگ کہتے ہیں اور حکم اس کا شریعت میں یہ ہے کہ عورت کو صرف خاوند پر چار ماہ دس دن یا وضع حمل تک واجب ہے اور دوسرے عزیزوں کے مرنے پر تین دن جائز ہے، باقی حرام، سو اب تیرہ سو سال کے بعد یہ عمل کرنا بلاشک حرام ہے۔

(۸) کسی خاص لباس یا کسی خاص رنگ میں اظهارِ غم کرنا : ابن ماجہ میں حضرت عمران بن حصینؓ سے ایک قصہ میں منقول ہے کہ ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ غم میں چادر اُتار کر صرف کرتہ پہنے ہیں، یہ وہاں غم کی اصطلاح تھی۔ آپ ﷺ نہایت ناخوش ہوئے اور فرمایا کیا جاہلیت کے کام کرتے ہو یا جاہلیت کی رسم کی مشابہت کرتے ہو؟ میرا تو یہ ارادہ ہوگیا تھا کہ تم پر ایسی بددعا کروں کہ تمہاری صورتیں مسخ ہوجائیں، پس فوراً ان لوگوں نے اپنی چادریں لے لیں اور پھر کبھی ایسا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی خاص وضع و ہیئت اظہارِ غم کے لئے بنانا حرام ہے۔

(۹) بعض لوگ اپنے بچوں کو امام حسین رضی اللہ عنہ کا فقیر بناتے ہیں اور اُن سے بعضے بھیک بھی منگواتے

ہیں، اس میں اعتقادی فساد تو یہ ہے کہ اس عمل کو اس طویل حیات میں موثر جانتے ہیں۔ یہ صریح شرک ہے اور بھیک مانگنا بلا اضطرار حرام ہے۔

(۱۰) حضرات اہل بیت رضون اللہ علیہم اجمعین کی اہانت برسر بازار کرتے ہیں، اگر ایام غدر کے واقعات جس میں کسی خاندان کی عورتوں کا ہتک ہوا ہو اس طرح علی الاعلان گائے جاویں، اس خاندان کے مردوں کو کس قدر غیض وغضب آئے گا۔ پھر سخت افسوس ہے کہ حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات اعلان کرنے میں غیرت بھی نہ آئے اور اس طرح کے بہت سے امورِ قبیحہ ہیں جو ان دنوں میں کئے جاتے ہیں ان کا اعتبار کرنا اور ایسے مجمع میں جانا سب حرام ہے اور یہی تمام تر فضیحتیں پھر چہلم کو دہرائی جاتی ہیں۔

قسم دوم کے منکرات :(۱) کھچڑا یا اور کچھ کھانا پکانا احباب یا مساکین کو دینا اور اس کا ثواب امام حسین رضی اللہ عنہ کو بخش دینا، اس کی اصل وہی حدیث ہے کہ جو شخص اس دن میں اپنے عیال پر وسعت دے، اللہ تعالیٰ سال بھر تک اس پر وسعت فرماتے ہیں۔ وسعت کی یہ بھی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ بہت سے کھانے پکائے جاویں خواہ جدا جدا یا ملا کر، کھچڑا میں کئی جنس مختلف ہوتی ہیں اس لئے وہ اس وسعت میں داخل ہوسکتا تھا۔ چنانچہ درمختار میں ہے وَلَا بَأْسَ بِالْمُعْتَادِ خَلَطًا وَّ يُوَجّهْ جب اہل وعیال کو دیا، کچھ غریب غرباء کو بھی دیدیا۔ حضرات امامین (حضرت امام حسنؓ وحضرت امام حسینؓ) کو بھی ثواب بخش دیا مگر چوں کہ لوگوں نے اس میں طرح طرح کی رسوم کی پابندی کر لی ہے گویا خود اس کو ایک تہوار قرار دیدیا ہے اس لئے رسم کے طور پر کرنے سے ممانعت کی جائے گی۔ بلا پابندی اگر اس روز کچھ فراخی خرچ میں کھانے پینے میں کردے تو مضائقہ نہیں۔

(۲) **شربت پلانا** : یہ بھی اپنی ذات میں مباح تھا، کیوں کہ جب پانی پلانے میں ثواب ہے تو شربت پلانے میں کیا حرج تھا؟ مگر وہی رسم کی پابندی اس میں بھی ہے اور اس کے علاوہ اس میں اہل رفض کے ساتھ تشبہ بھی ہے، اس لئے یہ بھی قابل ترک ہے۔ تیسرے اس میں ایک مضمر خرابی یہ ہے کہ شربت اس مناسبت سے تجویز کیا گیا ہے کہ حضراتِ شہدائے کربلا پیاسے شہید ہوئے تھے اور شربت مسکن عطش (پیاس بجھانے والا) ہے اس لئے اس کو تجویز کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے عقیدہ میں شربت پہنچتا ہے جس کا باطل اور خلافِ قرآن مجید ہونا فصل دوم میں مذکور ہو چکا ہے اور اگر پلانے کا ثواب پہنچتا ہے تو ثواب سب یکساں ہے، کیا صرف شربت دینے کو ثواب میں تسکینِ عطش کا خاصہ ہے۔ پھر یہ بھی اس سے لازم آتا ہے کہ اُن کے زعم میں اب تک شہدائے کربلا نعوذ باللہ پیاسے ہیں، یہ کس قدر بے ادبی ہے۔ ان مفاسد کی وجہ سے اس سے بھی احتیاط لازم ہے۔

(۳) **شہادت کا قصہ بیان کرنا** : یہ بھی فی نفسہٖ چند روایات کا ذکر کردینا ہے۔ اگر صحیح ہوں تو روایات کا بیان کردینا فی ذاتہٖ جائز تھا مگر اس میں یہ خرابیاں عارض ہوگئیں۔

(الف) مقصود اس بیان سے ہیجان اور جلب غم اور گریہ وزاری کا ہوتا ہے۔ اس میں صریح مقابلہ شریعت مطہرہ کا ہے کیوں کہ شریعت میں ترغیب صبر مقصود ہے اور تعزیت سے یہی مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مزاحمت شریعت کی سخت معصیت اور حرام ہے، اس لئے گریہ وزاری کو بھی قصداً یاد کر کے لانا جائز نہیں۔ البتہ غلبۂ غم سے اگر آنسو آجائیں تو اس میں گناہ نہیں۔

(ب) لوگوں کو اسی لئے بلایا جاتا ہے اور ایسے امور کے لئے تداعی واہتمام ممنوع ہے۔

(ج) اس میں مشابہت اہلِ رفض کے ساتھ بھی ہے، اس لئے ایسی مجلس کا منعقد کرنا اور اس میں شرکت کرنا سب ممنوع ہے۔ چنانچہ مطالب المؤمنین میں صاف منع لکھا ہے اور قواعدِ شرعیہ بھی اس کے شاہد ہیں اور یہ تو اُس مجلس کا ذکر ہے جس میں کوئی مضمون خلاف نہ ہو اور نہ وہاں نوحہ و ماتم ہو اور جس میں مضامین بھی غلط ہوں یا بزرگوں کی توہین ہو یا نوحہ حرام ہو جیسا کہ غالب اس وقت میں ایسا ہی ہے تو اس کا 'حرام' ہونا ظاہر ہے اور اس سے بدتر خود شیعہ کی مجالس میں جا کر شریک ہونا بیان سننے کے لئے یا ایک پیالہ فیرنی اور دو نان کے لئے''اصلاح الرسوم'' کا مضمون ختم ہوا۔ اب ''زوال السنۃ'' سے بعض رسوم قبیحہ کی مذمت نقل کی جاتی ہے۔

(۱) بعض لوگ اُس بچے کو منحوس سمجھتے ہیں جو محرم میں پیدا ہو، یہ بھی غلط عقیدہ ہے۔ (۲) بعض لوگ ان ایام میں شادی کو برا سمجھتے ہے، یہ عقیدہ بھی باطل ہے (۳) بعض جگہ ان ایام میں کٹکہ، دھنیا، مصالح تقسیم کرتے ہیں، یہ بھی واجب الترک ہے۔ (۴) بعض شہروں میں اس تاریخ کو روٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں اور اُن کی تقسیم کا یہ طریقہ نکالا ہے کہ چھتوں کے اوپر کھڑے ہو کر پھینکتے ہیں جس سے کچھ تو لوگوں کے ہاتھ میں آتی ہیں اور اکثر زمین پر گر کر پیروں میں روندی جاتی ہیں جس سے رزق کی بے ادبی اور گناہ ہونا ظاہر ہے۔ حدیث شریف میں اکرامِ رزق کا حکم اور اس کی بے احترامی سے وبال سلبِ رزق آیا ہے۔ خدا سے ڈرو اور رزق برباد مت کرو (اور بے ادبی کے علاوہ بدعت اور ریا وغیرہ کا گناہ بھی اس رسم میں موجود ہے)۔



اسوۂ حسنینؓ

✦ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی/جنرل سکریٹری آل انڈیا فقہ اکیڈمی

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مصطفیٰ اور مجتبیٰ یعنی چنے ہوئے تھے، اللہ نے نبوت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا تھا، جیسے اللہ نے آپ کو نبوت جیسی عظیم ذمہ داری کے لئے منتخب فرمایا، اسی طرح آپ ﷺ کی رفاقت اور صحبت کے لئے بھی انسانیت کے منتخب اور برگزیدہ اشخاص کا انتخاب ہوا، اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے صحابہؓ کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کی صحابیت کے لئے منتخب فرمایا ہے "اختارهم الله لصحبة نبيه" اسی طرح اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کے اہل بیت اور پاک بیویاں بھی سرد و گرم کی رفاقت اور امت کے لئے خانگی اور نجی زندگی کا نمونہ پیش کرنے کے لئے اللہ کی جانب سے منتخب تھے، ان ہی اہل بیت میں آپ ﷺ کی صاحبزادیاں تھیں اور ان صاحبزادیوں میں آپ کی چہیتی اور چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ نے خواتین جنت کی سردار قرار دیا اور جن کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی گواہی ہے کہ آپ ﷺ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہؓ سے تھی، حضرت فاطمہؓ اپنے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں حضور ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھیں اور آپ پر حیاء کا اس قدر غلبہ تھا کہ عہد صحابہؓ میں شاید ہی اس کی کوئی مثال مل سکے۔

حضرت فاطمہؓ کے شوہر چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ تھے، جو حضور ﷺ سے نسبی اعتبار سے قریب ترین تعلق رکھنے کے علاوہ اسلام میں سبقت سے مشرف تھے اور حضور ﷺ کی نگاہ میں ان کے مقام و مرتبہ کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جس کا دوست ہوں علیؓ اس کے دوست ہیں، گویا حضرت علیؓ سے تعلق اور محبت کو اپنی محبت و تعلق کا معیار بنایا، اہل سنت والجماعت کے معتبر علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں کچھ یہودیوں کی سازش سے جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اس میں حضرت علیؓ حق پر تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے مخالفین کو حدیث میں "فئة باغية" (باغی گروہ) قرار دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ پیدا ہوئے جو باحیات رہے اور ان ہی دونوں حضرات سے رسول اللہ ﷺ کی مبارک نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو رسول اللہ ﷺ نے نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا ہے، یہ روایت اہل سنت کے یہاں کثرت سے منقول ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کو پکڑتے اور کہتے: اے اللہ! میں ان دونوں سے

محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان دونوں سے محبت کیجئے۔ (بخاری، حدیث: ۳۷۴۷)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو مجھ سے محبت ہوگی وہ ان دونوں سے محبت رکھے گا (مجمع الزوائد، عن ابی ہریرہؓ ۱۸۰/۹) عجیب بات ہے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو جسمانی طور سے بھی رسول پاک ﷺ سے بڑی مماثلت تھی۔ چنانچہ جب حضرت حسینؓ کی شہادت ہوئی تو صحابہؓ اور صالحین کو ناقابل بیان صدمہ پہنچا۔ حضرت ام سلمیٰؓ کو جب اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع پہنچی تو اہل عراق پر لعنت بھیجی اور ان کے لئے ہلاکت کی دعا فرمائی۔ (مجمع الزوائد: ۱۹۴/۹)

امام ابراہیم نخعی نے خوب فرمایا کہ اگر خدانخواستہ میں قاتلانِ حسین میں سے ہوتا اور میری مغفرت کردی جاتی اور میں جنت میں داخل کیا جاتا تب بھی مجھے حضور ﷺ کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی۔ (حوالہ سابق: ۱۹۵/۹)

حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کے بغیر کوئی ایسا شخص رہ ہی نہیں سکتا جو واقعی مسلمان ہو اور جس کو رسول اللہ ﷺ سے محبت کا کوئی درجہ حاصل ہو، صحابہؓ چوں کہ سب سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت رکھنے والے اور آپ کی نسبت پر وارفتہ تھے، اس لئے اہل بیت سے ان کو خاص تعلق تھا، بنی امیہ کا حکمراں مروان ایک بار حضرت ابوہریرہؓ سے کہنے لگا کہ جب سے ہمیں آپ کی رفاقت حاصل ہوئی ہے، مجھے آپ کی کسی بات سے ناگواری نہیں ہوئی، سوائے اس سے کہ آپ حسنؓ و حسینؓ سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سمٹ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، ایک جگہ حضور ﷺ نے حضرات حسنینؓ کے رونے کی آواز سنی، حضرت فاطمہؓ بھی ساتھ تھیں، آپ تیز تیز چل کر وہاں پہنچے اور فرمایا کہ ہمارے بیٹوں کو کیا ہوا؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ یہ پیاسے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے مشکیزے میں دیکھا تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنے رفقاء سفر سے پانی کے بارے میں فرمایا تمام ہی لوگ پانی کے برتن کی طرف لپکے، لیکن اتفاق کہ کسی کے پاس پانی موجود نہیں، تو آپ ﷺ نے باری باری حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنی زبان مبارک کو چسایا، جب انہیں سکون ہوا تو آپ ﷺ کو اطمینان ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اسی لئے میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔ (طبرانی، بسند صحیح، مجمع الزوائد، ۱۸۰/۹)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ گلشن محمدی ﷺ کے ان غنچہ ہائے سدابہار اور گل ہائے مشک بار سے کیسی محبت رکھتے تھے کہ ظالم حکمرانوں کا خوف بھی اس کے اظہار میں مانع نہیں ہوتا تھا۔

لیکن کیا حضرات حسنینؓ سے امت کی یہ محبت اور دربارِ رسالت مآب میں ان کا یہ درجہ و مقام صرف اسی وجہ سے تھا کہ یہ حضور ﷺ کے نواسے تھے؟ یقیناً یہ نسبت بھی اس محبت میں کارفرما ہے، لیکن اس سے بڑھ کر حضراتِ حسنینؓ کا اسوہ اور ان کا کردار ہے، جو قیامت تک کے لئے نقش لافانی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر اقدس پر تھے اور آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت حسنؓ تھے۔ آپ ﷺ ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھتے

اور ایک دفعہ حضرت حسنؓ کی طرف اور ارشاد فرماتے: میرا یہ بیٹا (سید (سردار) ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائیں گے۔ (بخاری، حدیث:۳۷۴۶)

رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب خلیفۂ راشد سیدنا حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اہل شام حضرت معاویہ کی کمان میں آگے بڑھے اور ادھر اہل حجاز اور اہل عراق حضرت حسن بن علیؓ کی قیادت میں۔ عام طور پر صحابہؓ اور دیگر اکابر تابعین حضرت حسنؓ کے ساتھ تھے اور ان کے موقف کے مؤید تھے اور بقول حضرت عمرو بن عاصؓ پہاڑوں کی طرح لشکر جرار حضرت حسنؓ کی رکاب میں تھا اور یہ ایسے جاں نثار لوگ تھے کہ بظاہر ان کا پشت دکھا کر بھاگنا ہرگز متوقع نہیں تھا۔ بہ ظاہر حضرت حسنؓ کے غالب آنے کی توقع زیادہ تھی، لیکن جب حضرت معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیشکش ہوئی تو حضرت حسنؓ نے اپنے بہت سے رفقاء کی مخالفت بلکہ ایک گونہ طعن و تشنیع کے باوجود اس پر لبیک کہا اور اپنا ہاتھ امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں دیا تا کہ مسلمانوں کی خون ریزی نہ ہو اور اسلامی دنیا ایک جھنڈے کے نیچے آجائے، اس طرح وہ پیشین گوئی شرمندۂ تعبیر ہوئی جو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے سلسلے میں فرمائی تھی۔ یہ کچھ معمولی قربانی نہیں تھی اور اس قربانی نے اسلام کی تاریخ میں حضرت حسنؓ کو ایسی عظمت عطا کی کہ اگر وہ پورے عالم اسلام کے متفق علیہ تاج دار بن جاتے تب شاید ان کو یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوتا اور لوگوں کے قلوب پر ان کی حکمرانی قائم نہ ہوئی ہوتی۔

چناں چہ ایک بار پھر پورا عالم ایک جھنڈے کے نیچے آگیا اور ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے مختلف علاقوں میں مسلمان فاتحانہ پیش قدمی کرنے لگے، اس سے کوئی حقیقت پسند انکار نہیں کرسکتا کہ اس میں بنوامیہ کے تدبر سے زیادہ حضرت حسنؓ کے ایثار کا حصہ ہے۔ حضرت حسینؓ کا یزید بن معاویہ کے مقابلہ کھڑا ہونا اس لئے نہیں تھا کہ آپ حکومت کی حرص و طمع رکھتے تھے۔ حضرت حسینؓ کو خانوادۂ نبوی ﷺ سے نسبت کا جو شرف حاصل تھا اس پر ہزار حکومتیں قربان اور نچھاور تھیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ اسلام جس دور میں آیا وہ ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا دور تھا، اس وقت کی معلوم دنیا میں جہاں بھی چھوٹی بڑی حکومت تھی ان کی اساس خاندانی بادشاہت پر تھی، اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح کی وہیں نظامِ سیاست کی بھی اصلاح کی اور خلافت کا تصور دیا۔

خلافت میں دو باتیں اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک یہ کہ اس منصب کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جو اخلاق و کردار کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کا حامل ہو، دوسرے مسلمانوں کے ارباب حل وعقد نے اس کا انتخاب کیا ہو، اسی اصول پر حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ہوا، پھر حضرت ابوبکرؓ نے اکابر صحابہ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کا نامزد فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے چھ رکنی کمیٹی بنادی اور ان حضرات نے عام مسلمانوں سے مشورہ اور باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کا انتخاب کیا، پھر حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد اہل مدینہ اور اکابر صحابہؓ نے بہ اصرار حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت علیؓ سے جن صحابہؓ کو اختلاف تھا وہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے

میں تھا، ورنہ ان کی لیاقت کے بارے میں کسی کو کلام نہیں تھا اور اس لئے علماء اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادت تک وہی خلیفۂ برحق تھے۔ حضرت حسنؓ نے بھی آپ اپنی خلافت کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ اس عہد کے اکابر صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جس تیس سالہ خلافت راشدہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی وہ حضرت حسنؓ کے چھ ماہی عہد خلافت پر مکمل ہو جاتی ہے۔

یزید کی حکمرانی سے ایک نئے طریقے کا آغاز ہوا کہ بعض ایسے لوگ جو اس سلسلے میں اسلام کے مزاج سے پوری طرح واقف نہیں تھے اور ان کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل نہیں تھی انہوں نے حضرت معاویہ کو باور کرایا کہ آئندہ کے لئے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اکابر صحابہؓ جو اس وقت موجود تھے ان کو حکمرانی کے اس نئے طریقے سے اس قدر اختلاف تھا جتنا حضرت حسینؓ کو، لیکن بعض صحابہ نے فتنہ کے اندیشے سے خاموشی اختیار کی اور بعض نے امت کو اختلاف سے بچانے کے لئے بہ کراہت خاطر اس تجویز کو قبول کر لیا۔ اگر تمام صحابہ اس صورت حال پر یہی رویہ اختیار کرتے اور کسی کی طرف سے مزاحمت پیش نہ آتی تو آئندہ یہ بات سمجھی جاتی کہ اسلام میں خلافت علی منہاج النبوۃ کے ساتھ ساتھ عہد جاہلیت کی مروجہ ملوکیت کی بھی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت حسینؓ نے اس کی مزاحمت کو ضروری سمجھا، یہاں تک کہ اپنے رفقاء اور اہل خاندان کے ساتھ نہایت ہی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے اور قاتلانِ حسین نے جہاں آخرت میں اپنے لئے اللہ کا عذاب اور ابدی خسران کو محفوظ کر لیا وہیں دنیا میں بھی قیامت تک کے لئے اہل ایمان کی نگاہ میں ملعون و مغضوب قرار پائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسینؓ کی یہ مہم بہ ظاہر کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی لیکن حضرت حسینؓ کو معنوی فتح حاصل ہوئی۔ چنانچہ امت کے علماء وفقہاء اور اربابِ نظر آج اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام جس نظامِ حکمرانی کا داعی ہے وہ خلافت ہے نہ کہ خاندانی بادشاہت، حالاں کہ مسلمانوں کی تاریخ کا بڑا حصہ اسی بادشاہت کا ہے لیکن اس کے باوجود آج اسے اسلامی فکر کے خلاف کیوں سمجھا جاتا ہے اور کیوں اس رویہ کو قبول نہیں کیا گیا؟ یقیناً اس میں بڑا حصہ حضرت حسینؓ اور آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی مزاحمت اور اسی راہ میں شہادت کا ہے، ورنہ بعد کے لوگ سمجھتے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہو چکا ہے۔

پس حضرت حسینؓ کا اسوہ یہ ہے کہ امت کو اختلاف اور انتشار سے بچانے کے لئے اپنے اقتدار کی قربانی گوارہ کی جائے، ایثار سے کام لیا جائے اور حضرت حسینؓ کا اسوہ یہ ہے کہ جب دین میں کوئی طاقت کمی بیشی کرنا چاہے اور اسلام کی صحیح تصویر کو مسخ کرنے کے درپے ہو تو چاہے اس کے لئے اپنی رگ گلو کٹانی پڑے، لیکن بہر قیمت اللہ کے دین اور شریعت کی فکری سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔ آج کے حالات میں یہ دونوں نمونے امت کے لئے مشعل راہ ہیں، امت کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے عہدہ وجاہ کا ایثار اور دین کی حفاظت وصیانت کے لئے اپنی جان عزیز تک کی قربانی!!



نماز میں قراءت کے آداب

✦ مفتی امداد الحق بختیار قاسمی

نماز کی اصل اور اس کی روح قرآن کریم کی قراءت ہے، بقیہ تمام ارکان وافعال جیسے صف بندی، رکوع و سجود، جلسہ وقومہ، قیام وقعود اور ہاتھ باندھنا وغیرہ یہ سب بہ منزلہ آدابِ شاہی ہیں، بندہ اللہ کے دربار میں کھڑا ہے، یہ اعمال اس دربارِ عالی کے آداب ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت نماز کا ایک اہم رکن ہے جس کے ذریعہ مومن بندے کو خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ بندہ اپنی درخواست، دعا اور حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور جب قرآن پاک کی قراءت نماز کی روح اور اس کے بنیادی ارکان میں سے ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم نماز میں کلامِ الٰہی کی تلاوت، تمام احکام اور نبی پاک ﷺ کی سنت کے مطابق کریں۔

ہماری نماز میں قرآن کی تلاوت کے احکام کی خلاف ورزی تو نہیں ہوتی، البتہ سنت کی خلاف ورزی اور افضل صورت کو ترک کرنا عام طور پر ہماری نمازوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً یہ چیز بہت زیادہ عام ہوگئی ہے کہ ہمارے ائمہ کرام (ظہر اور عصر کا تو علم نہیں) مغرب، عشاء اور فجر کی نماز میں قراءت کی سنت اور افضل صورت کو چھوڑ کر غیر افضل صورت اختیار کرتے ہیں، ایسے اماموں کی ایک بڑی تعداد ہے جو ایک رکعت میں مکمل سورت نہیں پڑھتے بلکہ بڑی سورتوں میں سے تین یا چار آیتیں پڑھ کر رکوع کرتے ہیں یا ایک سورت کو دو رکعت میں پڑھتے ہیں یا کوئی سورت آدھی پڑھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ نماز میں اس طرح قرآن کریم پڑھنے سے نماز تو ادا ہو جائے گی لیکن عمومی احوال میں ایسا کرنا سنت کے خلاف اور غیر اولیٰ ہے، اس طرح قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں اکثر مضمون کا لحاظ نہیں کیا جاتا، مضمون ناقص اور بات ادھوری رہ جاتی ہے جیسے کسی کتاب کے درمیان سے دو چار سطریں پڑھنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیتیں معنی ومضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مربوط ہیں، لہٰذا مختلف مقامات سے نماز میں چند آیات تلاوت کرنے سے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مضمون پورا نہیں ہوتا، کبھی کبھی قراءت کی ابتدا وانتہا ایسی آیات پر ہوتی ہے کہ بات بالکل بے معنی سی لگتی ہے اور ہمارے ائمہ کی اکثریت غیر علماء

کی ہے، جو عالم ہیں، ان میں بھی بہت کم درس وتدریس سے جڑے ہیں، اس کی وجہ سے معنی ومضمون کی پوری رعایت وہ بھی نہیں کر پاتے۔ لہٰذا اس طرح قراءت کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے: ''اور (درمیان سورت میں قراءت روکنے میں) کراہت کا سبب بظاہر یہ ہے کہ ایک سورت کی آیتیں معنی کے لحاظ سے آپس میں مربوط رہتی ہیں، تو جس جگہ قراءت ختم کی ہے اس کا حکم آخری سورت تک پڑھنے جیسا نہ ہوگا، کیوں کہ اگر قاری نے قراءت وقف غیر تام پر ختم کی ہے، تب بھی یہ خلاف اولیٰ ہے، جیسا کہ اہل علم حضرات سے مخفی نہیں ہے۔''

محقق علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: ''النہر الفائق میں لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی آخری آیتوں کو پڑھا جائے نہ کہ دو سورتوں کی آخری آیتوں کو؛ کیوں کہ اکثر فقہاء کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ (تنزیہی) ہے۔'' (شامی ۲/۲۶۸)

نیز علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ''اگر پہلی رکعت میں ایک سورت کے درمیان سے پڑھے یا سورت کی ابتداء سے پڑھے پھر دوسری رکعت میں دوسری سورت کے درمیان سے یا ابتداء سے پڑھے یا کوئی چھوٹی سورت پڑھے تو صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے؛ لیکن افضل یہ ہے کہ بلاضرورت ایسا نہ کیا جائے۔'' (شامی ۲/۲۶۸-۲۶۹)

ان تمام عبارتوں سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مختلف جگہوں سے تلاوت کرنے کی بعض صورتیں مکروہ ہیں اور دیگر صورتیں اگرچہ مکروہ نہیں لیکن خلافِ اولیٰ وہ بھی ہیں۔ لہٰذا اسے عادت نہیں بنانا چاہئے۔

بارہا ایسا بھی مشاہدہ ہوتا ہے کہ بہت سے حضرات ائمہ کرام پہلی رکعت میں ایک سورت کے نصف کی قراءت کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں اُسی سورت کے نصف آخر کی قراءت کرتے ہیں یعنی ایک سورت دو رکعت میں مکمل کرتے ہیں حتی کہ بعض اوقات بہت چھوٹی سورت کو بھی آدھا آدھا پڑھتے ہیں، اس طرح قراءت کرنے سے بھی نماز تو ہوجائے گی کیوں کہ نبی پاکؐ سے ایسا ثابت ہے لیکن آپ نے ایسا کبھی کبھار کیا ہے، یہ آپ کی عادتِ مستمرہ نہیں تھی؛ اس لئے کبھی کبھی ایسا کرنا تو درست ہے، اکثر ایسا کرنا یا اس کو معمول اور عادت بنا لینا یہ خلافِ افضل ہے۔ حضرت ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ مجھے ایسے شخص نے خبر دی ہے جس نے حضور پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر سورت کا رکوع اور سجدے میں حصہ ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت میں مکمل ایک سورت کی تلاوت کی جائے، نہ ایک سورت کو دو رکعتوں پر تقسیم کیا جائے اور نہ ایک سورت کے کچھ حصہ کو پڑھا جائے اور کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے۔

حضرت سعید ابن المسیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر حضرت بلال کے پاس سے اس حال میں ہوا کہ وہ نماز میں اس طرح قراءت کررہے تھے کہ کچھ آیتیں ایک سورت کی پڑھتے، پھر کچھ آیتیں دوسری

سورت کی پڑھتے، جب نبی پاک ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: اے بلال! میں تمہارے پاس سے گذرا تھا اور تم کبھی اس سورت کی کچھ آیتیں تلاوت کر رہے تھے اور کبھی دوسری سورت کی؟ تو حضرت بلال نے جواب دیا کہ (قرآن کریم کی تمام آیتیں پاکیزہ ہیں) میں نے ایک پاکیزہ چیز کو دوسری پاکیزہ چیز کے ساتھ ملایا، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا (اس طرح تلاوت نہ کرو بلکہ) ایک سورت مکمل پڑھو۔

دوسری روایت میں ہے: ''نبی پاکؐ نے حضرت بلال سے فرمایا ''جب تم سورت پڑھو تو اسے مکمل کرو۔''

فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ ''افضل یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی مکمل سورت پڑھی جائے اور اگر سورت کا ایک حصہ ایک رکعت میں اور دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھا تو ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے کیوں کہ یہ منقول روایات کے خلاف ہے۔''

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے ''نیز مکروہ ہے کہ سورتوں کے اواخر کے پڑھنے کا انتخاب کیا جائے اور کسی ایک سورت کو ترتیب کے ساتھ نہ پڑھا جائے، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر؛ کیوں کہ یہ سلف صالحین کے معمول کے خلاف ہے۔'' احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے پوری سورت پڑھنا افضل ہے اور اگر جزِ سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے، آخر سورت کا ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔''

ان روایات، فقہاء کی عبارتوں اور اصحابِ افتاء کے فتوے کی روشنی میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ جو چیز خلافِ اولیٰ ہے وہ ہماری نمازوں میں کس کثرت سے پائی جاتی ہے اور ہمیں اپنے طرزِ عمل کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اور حق کے قبول کرنے کی توفیق دے۔

یوں تو نبی پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ سے نمازوں میں پورے قرآن سے قراءت کرنے کی روایات بھی موجود ہیں، لیکن ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ آپؐ اور خلفائے راشدینؓ نے احیاناً ایسا کیا ہے، بکثرت روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ عمومی طور پر آپؐ نماز میں قراءت طوال مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل سے ہی کیا کرتے تھے، اس لئے یہی آپؐ کا معمول قرار پایا اور اسی کو فقہاء نے افضل و اولیٰ قرار دیا ہے۔ اگرچہ کبھی کبھار اس کے خلاف کرنا بھی سنت ہی ہے لیکن اسے عادت بنا لینا حضورؐ کے معمول کے خلاف ہوگا۔

سلیمان بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ فلاں شخص (یعنی خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ) ظہر کی پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھاتے ہیں اور عصر کی نماز ہلکی (یعنی مختصر) پڑھاتے ہیں اور مغرب میں قصارِ مفصل، عشاء میں اوساطِ مفصل اور فجر میں طوالِ مفصل سے قراءت کرتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو حضورؐ کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتی ہو سوائے اس شخص کے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں: ''ہمارے علماء نے اس حدیث سے اس بات

پر استدلال کیا ہے کہ مسنون قراءت یہ ہے کہ مغرب میں قصارِ مفصل، عشاء میں اوساطِ مفصل اور فجر میں طوالِ مفصل پڑھی جائے اور طریقہ استدلال یہ ہے کہ راوی نے جب یہ بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مغرب میں قصارِ مفصل، عشاء میں اوساطِ مفصل اور فجر میں طوالِ مفصل پڑھتے ہیں تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ نماز حضور کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ترتیب سے قراءت کرنا نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا۔''

فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں مذکورہ ترتیب سے نمازوں میں قراءت کرنے کو مسنون قرار دیا گیا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے: ''حضر میں امام اور منفرد کے لئے فجر اور ظہر کی نماز میں طوالِ مفصل یعنی سورہ حجرات سے سورہ بروج تک قراءت کرنا مسنون ہے۔ حلبی نے اسے بیان کیا ہے اور لوگ اس کی طرف سے غفلت میں ہیں اور عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل مسنون ہے، یعنی ہر رکعت میں ان سورتوں میں سے کوئی ایک سورت پڑھی جائے۔''

فتاویٰ محمودیہ میں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: ''مسنون یہی ہے کہ ان سورتوں کو پڑھا جائے، کبھی کبھی ان سورتوں کے علاوہ دوسری سورتوں کا پڑھنا بھی ثابت ہے، مگر عامۃً انہی سورتوں کو پڑھنا چاہیئے۔''

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں ''عادۃً ایسا کرنا (یعنی حدیث میں موجود ترتیب کے ساتھ نمازوں میں قراءت نہ کرنا اور ادھر اُدھر سے پڑھنا) خلافِ افضل کو اختیار کرنا ہے، توجہ دلانا چاہیئے۔''

احسن الفتاویٰ میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں: ''غرضیکہ مفصل سور (سورتیں) پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ ومنیہ میں قراءت مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے اور بفرض استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترک سنت یا استحباب اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام اور اصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقتضائے حال پر مبنی ہے۔''

ان تمام اقتباسات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عمومی احوال میں طوال مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل سے ہی قراءت کرنی چاہیئے، لیکن کبھی کبھی معنی ومضمون اور رکوع کا لحاظ کرتے ہوئے دیگر مقامات سے بھی ان سورتوں کے بقدر پڑھنا چاہیئے کیوں کہ کبھی کبھی اس طرح قراءت کرنا بھی حضور پاک ؐ سے ثابت ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی عوام کے ذہن میں یہ بات نہ بیٹھ جائے کہ صرف انہی محدود سورتوں کی قراءت نماز میں ہوسکتی ہے، بقیہ قرآن کی نہیں، لہٰذا اس گمان فاسد کے ازالے کے لئے کبھی کبھار قرآن کے دیگر پاروں سے بھی قراءت کرنی

چاہئے مگر معلوم رہے کہ یہ کبھی کبھار ہی ہوا، اکثر ایسا نہ کریں اور نہ ہی اسے معمول اور عادت بنائیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

جس طرح پورے قرآن کو تیس مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اسی طرح مشائخ بخارا نے ہر حصے کو مزید چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا ہے، یہ حصے 'رکوع' کہلاتے ہیں، یہ تقسیم معنی کے اعتبار سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام مکمل ہوا ہے، وہاں رکوع مکمل ہو گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ عربی زبان سے ناواقف لوگ از خود یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کس جگہ تلاوت کا سلسلہ ختم کر دینا مناسب ہوگا، چنانچہ ان کی سہولت کے لئے یہ تقسیم عمل میں لائی گئی، تعیین رکوع کے سلسلے میں آیتوں کی ایک مناسب تعداد کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس طرح ایک پارہ عموماً پندرہ سے بیس رکوع میں منقسم ہے۔ اس کا مقصد آیات کی ایک ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جا سکے اور اس کو 'رکوع' اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے گا۔ لہٰذا ہمارے ائمہ حضرات جب نماز میں کسی بڑی سورت کا کوئی ٹکڑا تلاوت کرنا چاہیں تو انہیں رکوع کا لحاظ کرنا چاہئے کہ ایک رکعت میں ایک رکوع مکمل کریں، اسی طرح تراویح میں حفاظ کو ایک رکعت میں رکوع پورا کرنا چاہئے، بہت سے حفاظ جو حافظی قرآن میں حفظ مکمل کرتے ہیں وہ صفحے کے اختتام پر رکوع کے عادی ہیں؛ حالاں کہ وہاں مضمون مکمل ہونا ضروری نہیں۔

میری ناقص معلومات کے مطابق پورے ہندوستان میں جمعہ کے دن فجر کی نماز میں حضور پاک ﷺ سے منقول سورتیں تلاوت نہیں کی جاتیں، چند جگہوں کا استثناء کیا جا سکتا ہے، اسی لئے عام طور پر لوگوں کو اس کا علم بھی نہیں ہے کہ اس روز کی فجر کی نماز میں آنحضرت ﷺ کوئی مخصوص سورت تلاوت فرماتے تھے حتی کہ بہت سے مدارس میں بھی اس کا اہتمام نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے وہاں کے طلبہ بھی اس سنت سے نابلد رہ جاتے ہیں، یہ ایک بہت بڑی کوتاہی ہے اور ہمارے ائمہ کی غفلت ہے، انہیں جلد از جلد اس سنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے اور کم از کم کبھی کبھی ان سورتوں کو پڑھنا چاہئے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکیں۔

جمعہ کے روز فجر کی نماز میں نبی پاک ﷺ سے سورہ 'الم سجدہ' اور سورہ 'دہر' کا پڑھنا ثابت ہے۔ احسن الفتاویٰ میں ہے: ''نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسری میں سورہ دہر پڑھنا فی نفسہ مستحب ہے، لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے تاکہ عوام اسے واجب نہ سمجھنے لگے، آج کل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے اور اس کی اصلاح لازم ہے۔''

ہمارے بہت سے ائمہ کرام فجر کی نماز میں اوساط مفصل یا قصار مفصل سے قراءت کرتے ہیں اور ان احادیث کو دلیل میں پیش کرتے ہیں جن میں نماز میں تخفیف کرنے کا حکم آیا ہے یا حضور ﷺ سے چھوٹی سورتیں

پڑھنا منقول ہیں، جیسے ایک حدیث میں ہے: ''جب تم میں سے کوئی امام بنے تو نماز ہلکی پڑھائے۔''

میں ان ائمہ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ حدیث کا وہ مطلب نہیں جو انہوں نے سمجھا ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب ''تحفۃ الالمعی'' میں اس طرح لکھا ہے: ''اس حدیث میں اماموں کو ہلکی نماز پڑھانے کی نصیحت کی گئی ہے کیوں کہ جماعت میں بیمار، بوڑھے اور حاجت مند سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں، پس سب کی رعایت کر کے نماز پڑھانی چاہئے اور فقہ کی کتابوں میں مسنون قراءت کی جو مقدار بیان کی گئی ہے یعنی فجر وظہر میں طوالِ مفصل، عصر و عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل، یہ مقدار حدیثوں کی روشنی میں تجویز کی گئی ہے اور اتنی مقدار پڑھنا، ہلکی قراءت کرنا ہے۔ عمومی احوال میں مسجد کی جماعت میں اس مقدار سے کم قراءت نہیں کرنی چاہئے۔ اگر کوئی بوڑھا یا بیمار ہے اور فجر میں مسنون قراءت کے بقدر کھڑا نہیں رہ سکتا تو وہ بیٹھ کر قراءت سنے یا گھر میں نماز پڑھے، اس کی رعایت میں مسنون قراءت میں تخفیف نہیں کی جائے گی، البتہ اچانک پیش آنے والے احوال میں کمی بیشی کر سکتے ہیں، مثلاً نماز کے دوران امام نے محسوس کیا کہ بہت سے لوگ مسجد میں آئے ہیں اور وضو کر رہے ہیں تو امام قراءت طویل کر سکتا ہے تاکہ لوگ وضو سے فارغ ہو کر جماعت میں شامل ہو جائیں یا صحن میں نماز ہو رہی ہے اور اچانک بارش شروع ہو گئی تو قراءت مختصر کرنے کی گنجائش ہے۔ غرض خصوصی احوال کی بات الگ ہے اور عمومی احوال میں مسنون قراءت کے مطابق نماز پڑھانا ہی نماز میں تخفیف کرنا ہے۔'' (تحفۃ الالمعی ۱/۵۶۹)

اس پوری بحث کو سامنے رکھ کر میں اپنے معزز ائمہ کی خدمت میں گذارش کروں گا کہ وہ ایک طرف اس مکمل بحث میں پیارے آقا کی نماز اور قراءت کے تعلق سے آپؐ کے معمول کو دیکھیں، دوسری طرف اپنی نماز اور اپنی قراءت کا جائزہ لیں اور انصاف کریں کہ ہمارا معمول پیارے آقا کے معمول سے مطابقت و موافقت رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو خدا کا شکر بجا لائیں اور اگر نہیں رکھتا تو آج ہی سے اپنے معمول کو تبدیل کرنے کا عزم کر لیں اور یہ پیغام زیادہ سے زیادہ ائمہ تک پہنچائیں تاکہ ان کی نماز بھی سنت کے مطابق ہو جائے۔



یہ آسان ہے-یہ مشکل ہے

✦ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر/استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

اللہ نے انسان کو عقل دی، علم دیا، تجربات سے گزارا، مشاہدات بھی اس کے ساتھ رہے، صحیح زندگی گزارنے اور سچے راستے پر چلنے کی تاکید فرمائی، غور کریں اگر عقل نہ ہوتی تو احکامات کا مکلّف کہاں ہوتا، علم سے محروم ہوتا تو فکر میں گہرائی اور اوامر پر عمل کرنے کا جذبہ کہاں سے پیدا ہوتا، تجربات کرائے تاکہ اس سمت میں نہ چلا جائے جہاں سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، پھر دوسروں پر جو گزر رہی ہے اور اس دنیا میں مختلف ملکوں، بستیوں اور آبادیوں میں بسنے والے انسان جن چیزوں سے دوچار ہیں ان میں سے بہت سی چیزوں کا مشاہدہ بھی کرادیا، تاکہ یقین مکمل اور کامل ہو، مگر عجیب بات ہے کہ انسان سب کچھ جاننے اور معلوم ہوجانے کے باوجود زندگی اپنے طور پر گزارنا چاہتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ جس نے یہ زندگی عطا کی اور سانسوں کا یہ سلسلہ جس کے حکم سے قائم ہے اس نے کچھ کام ہم سے متعلق کئے ہیں۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ آسانیوں کی طرف چلتی ہے اور ان چیزوں کو اختیار کرنے میں پہل کرتی ہے جن کو کرنا اس کے لیے تعب اور تکلیف کا باعث نہ ہو، نفس جن چیزوں پر اسے ابھارتا ہے اور خواہش جن نقوش کو اس کے دل ودماغ میں گہرا کرتی ہے اس کی ادائیگی اس کو آسان نظر آتی ہے، جھوٹ بولنا آسان ہے، نہ تحقیق کی ضرورت، نہ چھان بین کی حاجت، جو چاہے بیان کردیجئے، معلوم ہو تب، نہ معلوم ہو تب، واقعہ میں چاہے جس چیز کا اضافہ کیجئے اور جو حصہ چاہے حذف کردیجئے، یہ نفس پر گراں نہیں گزرتا اس لیے آدمی آسانی کے ساتھ یہ عمل انجام دے لیتا ہے۔ سچ بولنا مشکل ہے، نفس پر دباؤ پڑتا ہے اور سچ زبان پر لانا دشوار ہوتا ہے، اس لیے آدمی سچ کی طرف نہیں چلتا۔

دھوکہ دینا آسان ہے، فریب دینا سہل ہے، بہانہ بازی اور مکر میں ذہنی کلفت نہیں اس لیے آدمی دوسرے کو دھوکا دیتا ہے، وفا کرنا مشکل ہے، وفادار بن کر رہنا تحمل کا کام ہے اس لیے آدمی دھوکہ کو اختیار کرتا ہے وفاداری سے فرار حاصل کرتا ہے کسی کی پیٹھ پیچھے تعریف کرنا امر دشوار ہے اس سے آدمی بھاگتا ہے، غیبت کرنا آسان ہے اس لیے پورے شوق اور جذبہ کے ساتھ غیبت میں مشغول رہتا ہے معلوم ہوا آسان کام کرنے کے لیے آدمی ہر وقت

تیار ہے اور مشکل کاموں سے جان چراتا ہے، آسانی کے ساتھ پیسہ ہاتھ لگ جائے اور کم سے کم وقت میں دولت آجائے روپیہ کی ریل پیل ہو آسائشوں اور سہولتوں اور سامان تعیش کی فراوانی ہو، اس کی طرف طبیعت چلتی ہے، ایمانداری سے کمائے صبح سے شام تک بھاگ دوڑ کرے، پسینہ بہائے، دیانت سے کام کرے، یہ مشکل ہے۔ اس لیے آدمی اس راستہ پر چلنے سے کتراتا ہے، بھاگتا ہے، بہانہ کرتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاکیزہ، زیادہ منور، زیادہ روشن، زیادہ لائق تقلید، زیادہ لائقِ تحسین کس کی زندگی ہو سکتی ہے، وہاں تو ہر لحہ ربانی احکامات کی پابندی میں گزرتا ہے اور کسی ساعت فرمانِ خداوندی کے دائروں سے باہر قدم نہیں نکلتا، اس ذاتِ پاک کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ ایسا نہ کریں، اس سمت میں نہ چلیں، ان کاموں کی فکر نہ کریں، ایک جگہ قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ. وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى.

حضرت شیخ الہندؒ نے اس آیت کا ترجمہ فرمایا:

> ''اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی کی ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی''۔

حضرت تھانویؒ نے یہ ترجمہ کیا:

> ''اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر مت دیکھئے، جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے (وہ محض) دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہ بہتر ہے اور دیرپا ہے''۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے:

> ''یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین، مجوس وغیرہ کو ہم نے عیش وتنعم کے جو سامان دیئے ہیں، ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چند روزہ بہار ہے، جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں، کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے مقدر کی ہے مثلاً قرآن کریم، منصبِ رسالت، فتوحاتِ عظیمہ، رفعِ ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب، اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے، آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور بذاتِ خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے بہر حال آپ نہ ان کی تکذیب واعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز وسامان اور مال ودولت کی طرف نظر التفات اٹھائیں''۔

جس کے دل میں دنیاوی دولت و سامان کا خیال بھی نہیں گزرتا اور جس کا پاکیزہ نفس دنیاوی آسائش و تعیش کی جانب مائل نہیں ہوتا اس عظیم ہستی اور محبوب ترین انسان کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ اس جانب آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے ان کے درجات، ان کے مراتب، ان کی رفعت اوران کی عظمت سب ظاہر اور اللہ کی جانب سے اس کا اظہار بھی اور اعلان بھی جب ان کو متوجہ کیا جارہا ہے تو ایک عام انسان کی کیا حیثیت اور کیا اس کا ارادہ، وہ لمحہ بھر میں پھسل سکتا اور لڑکھڑا سکتا ہے آسانی کی طرف دوڑے گا، مشکل سے جان بچائے گا، مشکل سے جان بچانا، اور آسانی کو گلے سے لگانا، یہ ناکامی کی علامت ہے یہ کم ہمت ہونے کی نشانی ہے یہ پست حوصلہ انسانوں کا کام ہے ایسا بھی نہیں کہ خواہ مخواہ آپ کو جوکھم میں ڈالا جائے، خطرات سے دوچار ہوا جائے، ہلاکت میں پڑا جائے، لیکن محنت سے جی چرانے اور مشکل سے بھاگنے کو بھی احسن قرار نہیں دیا گیا، قدر دانی تو انہی کی ہوتی ہے اور اکرام بھی انہی کا کیا جاتا ہے جو دشواریوں کے درمیان سے آسانیوں کا راستہ نکال لیتے ہیں، صرف اللہ ہی کے یہاں یہ معاملہ نہیں ہے دنیا میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے صاحبِ اقتدار، صاحبِ اختیار، صاحبِ مال لوگوں کے یہاں بھی عزت انہیں ملتی ہے جو مشکل کاموں پر قابو یافتہ ہیں۔ تن آسان، تن کوش، سہولت پسند آدمی بے وقعت ہوتا ہے اور اس کے متعلق لوگوں کے درمیان بدگمانی بھی بڑھتی اور رائے بھی اچھی قائم نہیں کی جاتی کامیاب زندگی کا گُر اور راز اس میں مضمر ہے کہ آدمی مشکل سے نہ گھبرائے، دشواریوں سے ہراساں نہ ہو۔



بقیہ ص ۸ کا......اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی تربیت و محنت کو ناقص سمجھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے والعیاذ باللہ۔ آگے بڑھ کر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کی تکذیب پر تل گیا، چوں کہ قرآن نے آپ ﷺ کی تربیت کی خوبی کی بحق حضرات صحابہ یہ کہہ کر شہادت دی کہ **محمدٌ رسول اللّٰہ والذین معہٗ الخ** اس میں حضرات کا دینی تصلب بھی آگیا، کفر کے حق میں شدت بھی آگئی، اہل ایمان کے لئے رحمت و لطافت کا بھی ذکر، ان کے شغف عبادت سے بھی بحث ہوگئی، آثار عبادت کی بھی تفصیل اور حاصل زندگی یعنی رضاء خدا کی طلب و تلاش کا بھی ذکر، پھر کیا باقی رہا؟ جوامت سازی کا بلند و بالا فریضہ سپرد کیا گیا تھا وہ باحسن وجہ آپ ﷺ نے انجام دے دیا لیکن مقدرات کو کون ٹال سکتا ہے، بعد میں کچھ جھگڑے ضرور ہوئے، اختلافات بھی ابھرے لیکن اس مقدس طائفہ کے حسنِ نیت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔

بہرحال **فخرج ابن عباس** کے الفاظ اس طرح ذکر کئے گئے جس سے وہم ہوتا ہے کہ ابن عباس نے اس مجلس کے اختتام پر باہر نکل کر یہ الفاظ فرمائے واضح کر چکا ہوں کہ وہم وہم ہے۔ ابن عباس تو اس مجلس میں موجود بھی نہیں تھے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم کی توفیق عطا فرمائے۔ 

گائے کا قاتل کون؟ اور ملزم کون؟

✦ مولانا غیاث الدین دھامپوری

ہندوستان میں رہنے والی ہندو اکثریت ''گئو سالہ پرستی'' کو تعظیم و تقدس کی نظر سے ہی نہیں دیکھتی؛ بلکہ الوہیت وعبادت تک کا درجہ دیتی ہے، نیز مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کی ایک معتد بہ تعداد گائے کا قاتل ٹھہراتی ہے، جس کی آڑ میں وہ سیاسی اور فرقہ وارانہ مفاد حاصل کرتی ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند ایک فیصد بھی گائے کے قاتل نہیں، گائے کے اصل قاتل تو وہ ہیں جو گائے کے تقدس پر عقیدہ رکھنے کے باوجود اس سے اقتصادی وتجارتی منافع حاصل کرتے ہیں، گائے کا قاتل کون ہے؟ ذیل میں ہم اس حقیقت کو طشت از بام کرتے ہوئے ایسے دستاویزی ثبوت ''مستند اعداد و شمار'' اور ناقابل انکار حقائق فراہم کریں گے، جن کی تردید ممکن نہیں، از روئے شریعت اسلامیہ گائے کا گوشت مسلمانوں کے لئے حلال ہے اور ملک کی شدید ترین ہندو عقیدہ رکھنے والی آبادی گائے کو قابل پرستش سمجھتی رہی ہے، تنہا صرف یہی ایک ایسا سبب رہا کہ مغل بادشاہ اکبر سے لے کر اب تک اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں نکالا جاسکا، بھارت میں ہندوؤں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اکثر وبیشتر مسلم حکمرانوں نے جن میں میسور کی سلطنت خداداد کے حیدر علی، ان کے فرزند ارجمند شیر میسور ٹیپو سلطان اور مغل شہنشاہیت کے بانی شہنشاہ بابر نے ۱۱؍جنوری ۱۵۲۹ء کو اپنے بیٹے ہمایوں کو ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے گئوکشی نہ کرنے کی نصیحت کی تھی جب کہ ہمایوں کے جانشین اکبر کے زمانے میں گئوکشی پر مکمل پابندی عائد کردی گئی تھی اورنگ زیب کے دورِ حکومت کے علاوہ تقریباً سبھی مغل حکمرانوں کے دور میں ذبیحہ گاؤ سے پرہیز کیا گیا، مہاتما گاندھی گئوکشی کو پسند نہیں کرتے تھے، مگر اس کے لئے کسی زور زبردستی کے خلاف تھے۔ گاندھی نے ۱۹۱۷ء میں مظفر پور میں اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ انگریز روزانہ ۲۰؍ہزار اور سالانہ ایک کروڑ گایوں کو اپنی خوراک بنا لیتے ہیں، گاندھی نے گائے کو لاکھوں ہندوستانیوں کی ''ماں'' قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ جب ماں مرتی ہے تو اسے دفنایا یا سپردِ آتش کیا جاتا ہے، مگر گائے ماتا مرنے کے بعد اتنی ہی کارآمد ہوتی ہے جتنا کہ زندہ (حوالہ وکی پیڈیا) گاندھی کے قتل کے بعد ان کے جانشین (ونوبا جی) بنے۔ موصوف نے ''مسئلہ تحفظ گائے'' پر ملک گیر تحریک چلائی جس کے

نتیجے میں شدت پسند ہندوؤں نے ۱۹۷۷ء میں حکومتِ ہند کے خلاف ایک ملک گیر گئو رکشا سمیلن (تحفظ گائے کے سلسلہ میں ایک بڑی کانفرنس) کا ناگپور (مہاراشٹر) میں انعقاد کیا، اس کانفرنس میں مسلمانانِ ہند کو ایک اشتہاری مجرم کی سی حیثیت دی گئی۔

گائے کا گوشت کھانے والوں کی فہرست : بھارت میں گوشت خوری اور گئو کشی دونوں سے زیادہ مستفید ہونے والے بیشتر ہندو ہیں، اس وقت زیادہ تر ہندو گوشت کھاتے ہیں اور ان کا ایک طبقہ گائے کا گوشت بھی کھاتا ہے؛ ہندو سماج میں کتنے ایسے گروپ ہیں جو گائے کا گوشت کھاتے ہیں، جیسے شیڈول کاسٹ کے لوگ، گوڑ، کورکو، بھیل، جن جاتی، ونواسی، بودھ، جنگلی قبائل، ناگا لوگ، بدھشٹ، عیسائی، نیپالی، گورکھے، بنواسی، ماربا، پارسی، چمار، بھنگی، ہریجن حتیٰ کہ ساؤتھ انڈین ہندوؤں کی بھی بڑی تعداد گائے کا گوشت بہت ہی کثرت سے استعمال کرتی ہے، پھر سرکس والے بھی اپنے جانوروں کو گائے کا گوشت ہی کھلاتے ہیں، نیز ہر بڑے شہر کے عجائب گھر میں خود سرکاری نگرانی میں گائے کا گوشت جنگلی جانوروں کو کھلایا جاتا ہے، ایئر لائنز کی انٹرنیشنل پرواز خصوصاً ایئر انڈیا غیر ملکی مسافروں کے لئے بہترین اور عمدہ گائے کے گوشت کھلانے کا انتظام کرتی ہے۔ امریکہ میں گائے کا گوشت، مرغی بکری کے گوشت کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ داموں میں بکتا ہے، مثلاً اگر مرغی آپ کو امریکہ میں دس روپیہ کلو ملے تو گائے کا گوشت سو روپیہ سے نیچے نہیں مل سکتا۔ پنجاب، ہریانہ، اتر پردیش وغیرہ جہاں گاؤکشی ممنوع ہے ان علاقوں میں ہر سال لاکھوں جوان اور بہترین گائیں کلکتہ سے لائی جاتی ہیں اور چند مہینوں میں ان کا دودھ بڑھانے والے انجکشن کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نکال لیا جاتا ہے، جب وہ سوکھ جاتی ہیں تو انہیں قصاب گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں کیرلا کے وزیر اعلیٰ نے جانکاری دی تھی کہ اس سال کیرلا میں ۱۴/لاکھ گائیں ذبح کی گئیں۔

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

معاشی دیوالیہ پن : ۱۹۷۳ء سے لے کر ۱۹۸۰ء تک ایک لاکھ بائیس ہزار ایک سو پچاسی ٹن بلکہ اس سے بھی زیادہ گائے کا گوشت بڑے اہتمام سے ہوائی جہازوں میں بھر بھر کر ملک کے باہر بھیجا گیا اور یہ گوشت کچھ مردہ جانوروں کا نہیں تھا؛ بلکہ خالص گایوں کا تھا، بڑی بڑی کمپنیوں نے سڑکوں پر گھومنے والی بے ملکیت گایوں کو سستی اجرت پر جمع کرایا اور حلال کرا کے گوشت کو صاف ستھرا بنا کر پوری احتیاط کے ساتھ باہر ملکوں کو سپلائی کیا گیا، نیز جلد ہی ارب پتی بننے کے لئے ہندو ایکسپورٹرس نے اندھا دھند گایوں کا قتل مشینوں کے ذریعہ کرنا شروع کیا تاکہ مال کو جلد از جلد اور بروقت سپلائی کر کے کثیر منفعت حاصل کی جاسکے اور یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں گوشت کے اکثر ایکسپورٹرس غیر مسلم ہیں جو خلیجی ممالک کو بیوقوف بنانے کے لئے اپنی کمپنیوں کے

نام ایسے رکھتے ہیں کہ انہیں یہ یقین ہوجاتا ہے کہ یہ ادارے مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ بہر حال برسوں کی یہ کارگزاری عرصہ دراز کے بعد عرب ممالک میں کھلی تو انہیں غیر حلال کا شبہ ہوا، لہٰذا انہوں نے ہندوستانی تاجروں سے گوشت کی خریداری بند کردی اور آرڈر منسوخ کردیئے اور مال کی ڈیلیوری پر پابندی لگادی (مورخہ ۸/اگست ۱۹۸۳ء ناگپور ایڈیشن، ص:۵) کی رپورٹ کے مطابق ہندوستانی اخباروں میں جب یہ اطلاع چھپی تو گائے کے گوشت کے ہندو تجار، ایکسپورٹرس اور ان کے ایجنٹوں کے ہوش اڑ گئے اور وہ حکومت ہند کے ساتھ عرب ملکوں میں سلامی دینے پہنچ گئے؛ لیکن عربوں نے یہ پتہ لگا ہی لیا کہ ہندوستان سے جو گوشت آرہا ہے، اس میں حلال وحرام سب ہے؛ لہٰذا انہوں نے مال لینے سے انکار کردیا، اس کا حکومت کے معاشی دیوالیہ پن میں بڑا زبردست دخل رہا۔

خالص ہندو اسٹیٹ میں گائے کا بلیدان : بمبئی سے شائع ہونے والا (ماہنامہ بیج) جولائی ۱۹۷۸ء کے شمارے میں ص:۲۱ اور ۲۶ پر بمبئی ہی کے مقیم ڈاکٹر جے کوٹھاری کا نیپالی سفر نامہ ''گورکھا دیکھا تیرا گاؤ'' اس عنوان کے تحت درج ذیل چشم کشا یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں (دستوری اعتبار سے نیپال ایک ہندو ریاست ہے؛ یہاں کے نیپالی گورکھے پوری دنیا میں مشہور ہیں، ہندو مذہب کے پیروکار یہ نیپالی ہندو گورکھے (کٹھ مانڈو سے کچھ دور جنوب میں کالی ماتا کا مندر'' ''دکشن کالی'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے) خوشی یا تہوار کے موقع پر ہر سنیچر کو ''دکشن کالی مندر'' میں درشن کے لئے بکثرت جمع ہوتے ہیں اور اپنی منت یا حیثیت کے مالدار لوگ زیادہ تر گائے ہی کی قربانی کرتے ہیں، پہلے تو گائے کی پوجا کی جاتی ہے اس کے بعد گائے کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں، اگر گائے نے منہ ہلا دیا تو پرشاد کے لئے منظوری کا حکم سمجھا جاتا ہے اور اگر گائے نے منہ نہیں ہلایا تو پھر دوسری بار پانی کے چھینٹے گائے پر چھڑکے جاتے ہیں۔ اگر ایک بار بھی گائے نے منڈی ہلا دی تو یہ مان لیا جاتا ہے کہ اب کالی ماتا نے اس گائے کی قربانی کا حکم دے کر منت قبول کرلی ہے، اب فوراً مورتی کے سامنے مندر کا پجاری گائے کو لے کر آتا ہے اور خود پجاری کی ایک دھار دار تیز چھرے سے گائے کی گردن پر زوردار وار کرتا ہے، خون کا فوارہ چھوٹتے ہی اس طرح یہ کام کیا جاتا ہے کہ بہتا ہوا خون کالی ماتا کی مورتی کے قدموں پر برابر جا گرے یہ ہونے کے بعد تڑپتی ہوئی گائے کے جسم کو دوسری دو چھوٹی مورتیوں کے سامنے بھی برکت کے لئے بچا ہوا خون بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے، اس کے بعد چھرا چلا کر گائے کی گردن پورے طور پر جسم سے جدا کردی جاتی ہے اور یہ کام ٹھیک مندر کے بیچ کے حصہ میں انجام دیا جاتا ہے، جب کٹا ہوا جانور پورے طور پر بے جان یا سرد ہوجاتا ہے تب گردن کو کاٹ کر پجاری خود لے جاتا ہے۔ اگر منت چڑھانے والا گائے کی گردن کا طالب ہو تو اس کے لئے اسے پجاری کو الگ سے رقم ادا کرنی پڑتی ہے، گائے کا پورا جسم مندر کے پیچھے بہنے والی ندی میں صاف کیا جاتا ہے اور چمڑا اُتار کر گوشت تمام بھگت پرساد کے طور پر لے جاتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ برما، بھوٹان اور تبت جیسے پڑوسی

ممالک میں بھی شاید گائے کے قتل کرنے سے متعلق یہ رسم رائج ہو، اب سوال یہ ہے کہ اصل ہندو مذہب میں گائے کی قربانی کالی ماتا کے مندر میں نیپالی ہندو کس دلیل کی بناء پر کرتے چلے آرہے ہیں؟ اس کا پتہ لگانا برادرانِ وطن کے مذہبی علماء کے ذمہ ہے کہ ایک ہندو ملک میں یہ کام مذہبی دھرم آچاریوں کے ذریعہ ہوتا ہے تو اس کی تحقیق تو بہر حال ہونی چاہئے، دیکھا آپ نے کہ نیپال جیسی ہندو اسٹیٹ میں گائے کی قربانی وہیں کے ہندو مذہب کے ماننے والے نیپالی کس انداز سے کرتے ہیں۔ (گجراتی ماہنامہ بیج ص:۲۶ جولائی ۱۹۸۷ء)

گئو کشی کے خلاف سنگھ پریوار کی شر پسند مھم : سپریم کورٹ نے اپنے حالیہ فیصلوں میں یہ واضح کر دیا ہے کہ گئو کشی کے خلاف پابندی عائد کرنا دستورِ ہند کے خلاف ہے نہ یہ ضروری ہے اور نہ ہی دستور میں اس کی اجازت ہے، ہمارے ملک میں ۶۰ فیصد شہری گوشت خور ہیں جب کہ ۹ فیصد وہ لوگ ہیں جو انڈے کھاتے ہیں، صرف ۳۱ فیصد ہی خالص ویجیٹیرین ہیں، ملک کی کوئی ریاست ایسی نہیں جہاں گوشت نہیں کھایا جاتا، بھارت گوشت ایکسپورٹ کرنے والا دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اور ہندوستان کو اس کے ذریعہ کثیر زرِمبادلہ حاصل ہوتا ہے، اس معاملے میں چین ہمارے ملک سے پیچھے ہے آر ایس ایس یوں تو سبزی خوری کی حمایت کرتا رہا ہے اور گوشت خوری کی مخالفت کرتا ہے مگر اس کے چیف بالا صاحب دیو کے بارے میں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ گوشت خور تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے تھے، بھارت میں پرانے زمانے سے ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو سبزی خور رہا ہے مگر اسی کے ساتھ گوشت خوری کی بھی اپنی روایت رہی ہے۔ الیکشن ۲۰۱۴ء کی مہم کے دوران مودی نے گاؤ کشی پر مکمل امتناع کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ یو پی اے حکومت ''گوشت کے بیوپار یا ایکسپورٹ'' کے نام پر جو گلابی انقلاب لایا ہے اسے وہ سبز انقلاب میں بدل دیں گے، یعنی گوشت کی جگہ سبزی خوری کے رواج کو عام کریں گے، ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں میں بھی دیوتاؤں کے سامنے قربانی کا ذکر ملتا ہے، اسی کے ساتھ ہمارے یہاں جانوروں کے گوشت پر سیاست کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور مختلف حیلوں سے دنگا کرایا جاتا ہے، گوشت خوری اور گاؤ کشی بھی ایک ایسا ہی معاملہ ہے، اس پر قدیم دور سے سیاست کا سلسلہ چل رہا ہے۔ ۳۱/ اکتوبر کو راشٹریہ سویم سیوک (آر ایس ایس) کے ۸۹/ یوم تاسیس کے موقع پر آر ایس ایس کے چیف موہن بھاگوت نے قومی ٹی وی چینل دوردرشن پر راست خطاب کرتے ہوئے غیر ضروری تنازعات مثلاً گئو کشی پر پابندی عائد کرنے اور گوشت کی درآمدات پر روک لگانے کی ہدایت دے کر مسلمانوں کے خلاف پھر سے زہر اگلا ہے، ہندوؤں کا ایک تہوار ہے ''نوراتری'' اس میں گربہ ناچ ہوتا ہے، گربہ میں مسلمانوں کو شریک ہونے پر وشو ہندو پریشد نے مشروط پابندی لگادی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گربہ میں شرکت کرنا چاہتا ہے تو اس کو اولاً دو کام کرنے پڑیں گے ''شناختی کارڈ دکھانا پڑے گا، وندے ماترم گانا پڑے گا'' دوسرے گائے کا قارورہ (پیشاب) پینا پڑے گا۔ یہ امتحان پاس کرنے کے بعد کوئی بھی مسلمان گربہ میں شرکت کرسکتا ہے۔

گائے کی چربی کی تجارت : برسوں نے بعد گورکھ دھندے کے بعد چنڈی گڑھ (پنجاب) میں آخر یہ بھانڈا پھوٹ ہی گیا کہ پنجاب میں گائے کی چربی لاکھوں ٹن پائی گئی، جب یہ مسئلہ منظر عام پر آیا تو حکومت وقت نے حقیقت کو چھپانے کے لئے گرما گرم سیاسی بحث کی آڑ میں گائے کی چربی کو بھینس کی چربی مشہور کر دیا اور داستان یہ گھڑی گئی کہ گائے کی چربی کا استعمال چوری چھپے ہو رہا تھا، نیز اگست ۱۹۸۳ء میں لوک سبھا میں گرما گرم بحث کے بعد اسپیکر ''بلرام جاکھڑ'' نے بڑے دل کش انداز اور حسین الفاظ میں اس اہم واقعہ پر پردہ ڈال دیا، یہ تو فضل الٰہی ہوا کہ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی برائے نام ہے، ورنہ ایسے فساد پھوٹ پڑتے کہ مسلمانوں کی چربی پگھل کر پنجاب کی سڑکوں پر پھیل جاتی۔ مذکورہ عنوان کے تحت اردو ہفت روزہ ''ندائے ملت'' ص ۶-۳، جولائی ۱۹۸۳ء کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''پنجاب میں گائے کی چربی سے بناسپتی گھی بنانے کی اطلاع آئی ہے، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا گھی بنانے کا وہاں کوئی کارخانہ نہیں ہے اور نہ ان کے پاس گائے کی چربی امپورٹ کرنے کا لائسنس ہے، گائے کے مذہبی تقدس کو عزیز رکھنے والوں کا دھارمک فرض ہے کہ وہ پتہ لگائیں کہ اب تک کتنے پیٹوں میں گائے کی چربی جا کر ان کے خون کا جز بن چکی ہے اور کتنے لوگوں کا دھرم خطرے میں پڑ گیا ہے اور یہ سلسلہ کب سے جاری ہے، ہندوستان میں قانونی سختیوں کے باوجود یہ چربی کیسے آتی ہے۔ بہر حال یہ حکومت کا فرض ہے کہ ایسے بڑے مذہبی اسکینڈل میں مجرموں کو منظر عام پر لائے۔ ۲۶/اگست ۱۹۸۳ء انگریزی روزنامہ ناگپور (دی ہٹ واڑا) کے حوالے سے دہلی کی ایک خبر کو شائع کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ غازی آبادی کی ایک فرم ''جین شدھ ونسپتی لمٹیڈ'' کو گائے کی چربی کے استعمال کے سلسلہ میں حکومت نے اپنے قانونی شکنجہ میں لے لیا ہے۔ مزید تفتیش کے لئے معاملہ کو (سی بی آئی) کے حوالے کر دیا ہے۔

اردو ہفت روزہ ''ندائے ملت'' ۲۸/اگست ۱۹۸۳ء کا ایک دیگر اقتباس ''گھی میں گائے کی چربی سے متعلق ملاحظہ فرمائیں'' چند ہفتوں سے اخبارات میں یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ کچھ تاجروں نے غیر ممالک سے گائے کی چربی منگا کر اس کا گھی تیار کر کے مارکیٹ میں سپلائی کر دیا، اب پتہ چلا کہ ۱۷فرمیں ایسی ہیں جنہوں نے ایسا کام کیا، برادرانِ وطن اس مسئلہ میں اتنے حساس ہیں کہ اگر کہیں گائے کی کٹی دم دیکھ لیں تو بھڑک اٹھتے ہیں، لیکن اتنا بڑا واقعہ پیش آ گیا کوئی مشتعل نہیں ہوا، کوئی ایجی ٹیشن نہیں چلا، کہیں فساد نہیں ہوا، جب کہ گائے کی چربی پتہ نہیں کتنے لوگوں کے خون میں دوڑ رہی ہوگی، پتہ نہیں کتنی عبادت گاہوں میں اس کا بھوجن کھلایا گیا ہو، اتنا بڑا پاپ مسلمانوں نے نہیں ہندوؤں کے بڑے بڑے تاجروں نے کیا، لیکن اللہ رہے سناٹا، آواز نہیں آتی، پتہ نہیں وہ دھارمک لوگ کہاں ہیں، جنہوں نے اس سنگین جرم کا کوئی نوٹس نہیں لیا، حکومت کو کم از کم ایک وہائٹ پیپر شائع کرنا چاہئے کہ گائے کی چربی ملک میں کیسے آئی'' گائے کی چربی سے لدے ہوئے ٹرک پکڑے جانے کے تعلق سے

''سہ روزہ دعوت دہلی ۹/ اگست ۱۹۸۳ء کی یہ رپورٹ بھی ذرا پڑھتے چلیں'' نئی دہلی پنجاب کے مختلف علاقوں میں گذشتہ آٹھ دنوں میں گائے کی چربی سے لدے ہوئے کئی ٹرک پکڑے گئے، گائے کی چربی کو بناسپتی گھی بنانے سے متعلق کئی افراد کو گرفتار کیا گیا ہے، ہندو تنظیموں نے بھی گائے کی چربی استعمال کرنے والوں کے خلاف چند مظاہروں پر اکتفاء کیا ہے۔ حکومت نے چربی کی درآمد کو غیر قانونی قرار دیا ہے۔ بمبئی کی بندرگاہ پر سینکڑوں ٹن چربی پڑی ہوئی ہے اور کسٹم حکام اس کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں، لوک سبھا میں گھائے کی چربی کے استعمال پر گہری تشویش ظاہر کی گئی۔ اسپیکر مسٹر جھاکڑ نے اس کو جرم بتایا، اسپیکر جھاکڑ نے کہا کہ گائے کی چربی استعمال کرنے والے متل اور جین نکلے، اگر کسی دوسرے فرقہ سے تعلق رکھنے والا شخص یہ حرکت کرتا تو اس کے نتائج کا تصور کریں۔''

مذکورہ چشم کشا مستند خبروں سے معاملہ کا صرف یہی ایک پہلو نہیں بلکہ ہزاروں پہلو ایسے نکلتے ہیں جن پر غور کرنے سے یہ ماننا پڑے گا کہ گاؤکشی کے معاملہ میں مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کا سلسلہ اب قطعی طور پر بند کیا جانا چاہئے؛ کیوں کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ پنجاب اور یوپی تو کیا دوسرے صوبوں میں گائے کی چربی غذائی اجناس میں ملائی جانی شروع تھی، مگر یہاں جمہوریت ہے، اس کی آڑ میں بیٹوں کی بادشاہی اور پوتوں کی پیشوائی ہے۔

سب سے زیادہ گائے کا گوشت بی جے پی کے دور میں ایکسپورٹ کیا گیا :

مورخہ ۲۸/ جنوری ۲۰۰۳ء ہندی اخبار ''نو بھارت'' بھوپال کی ایک خبر کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں، سابق وزیر اعظم ہند اٹل بہاری واجپئی کے دورِ حکومت میں اب تک سب سے زیادہ گائے کا گوشت ۱۳/ لاکھ ۵/ ہزار ٹن غیر ممالک بھیجا گیا۔ ۲۰۰۱ء میں سب سے زیادہ گائے کا گوشت نکالا گیا، وزارت اطلاعات ونشریات کی طرف سے چھپے ہوئے ''سندربھ پتھ بھارت'' ۲۰۰۳ء کے صفحہ ۵۲۶ پر دی گئی تفصیل سے معلوم ہوا کہ A۱۹۹۹ء/ ۱۹۹۸ء میں ہر سال ۱۲/ لاکھ ۹۵/ ہزار ٹن گائے کے گوشت کا ایکسپورٹ کیا گیا۔ B۲۰۰۰ء میں ۱۳/ لاکھ ٹن اور C۲۰۰۱ء میں ۱۳/ لاکھ پانچ ہزار ٹن گائے کا گوشت باہر ملکوں میں بھیجا گیا، بی جے پی سرکار نے چار سالہ دورِ حکومت میں گائے کے گوشت کے ایکسپورٹ پر پابندی لگانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور تحفظ گائے کے سلسلے میں کوئی مناسب اور کارآمد ترکیب بھی نہیں کرسکی۔ ۱۹۷۹ء میں جنتا پارٹی کی حکومت تھی، اٹل بہاری باجپئی وزیر داخلہ اور لال کرشن اڈوانی اس وقت وزیر اطلاعات ونشریات تھے۔ اسی دوران ایک جن سنگھی ممبر آف پارلیمنٹ اوم پرکاش تیاگی نے پارلیمنٹ میں گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگانے کا قانون بنانے کی مانگ رکھی، تبھی سرکار بچانے کے لئے واجپئی جی نے اپنے ساتھی اوم پرکاش تیاگی کو کچھ وقت کے لئے ''گئو بھکتی'' چھوڑ دینے اور قانون کا مسودہ واپس لینے کے لئے کہا۔ آج بھی مرکز اور کئی ریاستوں میں آر ایس ایس کی پشت پناہی والی بی جے پی سرکار برسر اقتدار ہے اور اس کے پاس اکثریت بھی ہے؛ لہٰذا وہ چاہے تو گئوکشی پر پابندی عائد کرسکتی ہے اور بھارت کو ایک سبزی خور ملک بنا سکتی ہے؛ مگر

اس میں ہمت نہیں کہ وہ ایسا کر سکے؛ ورنہ ان کی سیاست ہی بند ہو جائے گی اور ملک کو ہر سال کروڑوں روپیوں کا چونا لگے گا وہ الگ ہے۔ ملک میں حالیہ سیاسی تبدیلی کے نتیجہ میں کرناٹک میں اسکولی نصاب کی ایک کتاب میں ذبیحہ گائے کے حوالے سے ایک مضحکہ خیز واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس میں ایک شیر اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ اب وہ آئندہ کبھی گائے کا گوشت نہیں کھائے گا۔ مشہور مورخ ڈی این جھا نے اپنی کتاب میں ہندو مقدس کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ویدک دھرم میں گائے کا ذبیحہ ممنوع نہیں تھا؛ ویسے آئینی طور پر ایک سیکولر ملک میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایک چھوٹے اور مخصوص طبقہ کے غیر مسلمہ جذبات کی خاطر کسی بھی مویشی کے ذبیحہ پر پابندی کس بنیاد پر لگائی جا سکتی ہے؟ جس کی کوئی مذہبی بنیاد ہی نہیں ہے۔

ملزم کون : مورخہ ۲۷/جون ۲۰۰۲ء کے (لوک مت سماچار ہندی) ناگپور کی ایک خبر کا خلاصہ بھی پڑھتے چلیں ''ایک خصوصی جہاز کے ذریعہ کلکتہ سے مہاراجہ نیپال آسام کے انٹرنیشنل ہوائی اڈے گوہاٹی پہنچے اور کاکھیا مندر میں پوجا ارچنا کی، مہاراجہ نے پانچ جانوروں کا قتل کر کے پوجا کی، بلی چڑھائی، جن میں ایک گائے، ایک بھیڑ، ایک بکری، ایک بطخ، ایک کبوتر تھے۔ ہندوؤں کی بہت سی تنظیموں نے مہاراجہ نیپال کی طرف سے جانوروں کی بلی چڑھانے پر مخالفت بھی کی، سابق مرکزی وزیر مینکا گاندھی کی ''پیپلس فار اینملس'' نام کی تنظیم نے جانوروں کی بلی چڑھانے کی مخالفت کی اور نیلانچ پہاڑی کے نیچے مظاہرہ بھی کیا؛ لیکن مہاراجہ نیپال چوں کہ بھارت کی بی جے پی سرکار کے مہمان تھے، اس لئے کسی کی کچھ نہ چلی؛ لہٰذا جانوروں کی قربانی مندر میں دیوی کے سامنے دی گئی۔ اب یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کیا ہندو مذہب میں اس کی گنجائش ہے کہ جانوروں کی قربانی مندر میں دی جائے؟ اگر ایسا ہے تب تو کوئی بات نہیں؛ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارے ملک کے ہندو پنڈتوں کو اس کا خلاصہ ضرور کرنا چاہئے کہ مہاراجہ نیپال کا یہ فعل ہندو مذہب کے خلاف ہے یا ہندو مذہب کے مطابق ہے؟

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟ : مورخہ ۱۴/نومبر ۱۹۹۹ء ''پانچ جنیہ'' نامی اخبار، اس میں ''گہرے پانی پیٹھ'' بنام صدر جمہوریہ کے آر نارائن گائے کے قتل کا ایک اشتہار چھپا تھا، اس کو پڑھ کر ماتھا پیٹ لیجئے (مخبر نے یہ رپورٹ دی تھی کہ ۱۲/لاکھ ۱۳/۵۰۰/ D.C. میٹرو کا چمڑہ خود حکومت ہند کو چاہئے۔ سرکاری اداروں کو گائے کے چمڑے کی ضرورت ہے۔ اس کا ٹینڈر وزیر دفاع نے نکلوایا ہے اور یہ ٹینڈر صدر جمہوریہ کے آر نارائن کے حکم سے جاری ہوا، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ وزارت دفاع کے لوگ بھی گائے کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ بنگلہ دیش اور نیپال کو بے شمار تعداد میں روزانہ ٹرکوں میں بھر بھر کر بھیجی جاتی ہیں اور وہاں سے برما اور چین تک پہنچائی جاتی ہیں اور تو اور خود ہمارا منترالیہ اور بڑے بڑے ہوٹلوں والے ہمارے ''ودیشی مہمانوں'' کو جو گوشت کھلاتے ہیں اس میں بھی گائے کا گوشت ہوتا ہے) اب سے کوئی پچاس، ساٹھ سال قبل جب ملک پر انگریزوں کا راج تھا

قدیم ہندوؤں میں گائے خوری عام تھی، نہ صرف یہ کہ ہندو گائے کا گوشت کھاتے تھے بلکہ دوکانوں پر باقاعدہ گائے کا گوشت فروخت کرتے تھے۔

اسلامی حلیہ بدل کر گائے کے گوشت کی فروخت : مورخہ ۳/جون ۲۰۱۴ء اردو روزنامہ راشٹریہ سہارا کی یہ خبر بھی پڑھتے چلیں۔ مودی نگر تھانہ حلقہ کی جگت پوری کالونی میں کچھ لوگ گائے کا گوشت فروخت کرنے کا غیر قانونی دھندہ کرتے تھے، ان کی گرفتاری کے بعد یہ اصلیت سامنے آئی کہ ''راج پال ساکن مرادنگر اور ٹھیکیدار اکل کمار ساکن ہاپوڑ، مسلمانوں جیسی وضع قطع اختیار کرکے جنگلوں میں گائے کاٹتے تھے اور محلوں میں گائے کا گوشت فروخت کرتے تھے۔ غور طلب ہے کہ نواڑی روڈ واقع محلّہ جگتا پوری میں ناجائز طور پر گائے کے گوشت کا دھندہ زوروں پر ہے، گرفتاری کی مہم چلانے والے بھی حیران وششدر ہیں۔

گئور کھشا کا حق : تحفظ گائے کے سلسلے میں برادرانِ وطن سے ہم متفق ہیں کہ ان کو گئو رکشا کا حق ہے دودھ دینے والی گایوں کو تو شاید کوئی کاٹتا نہیں۔ سپریم کورٹ میں بھی ایک بار یہ معاملہ گیا تھا، مگر اس نے بھی یہاں روک لگانے سے انکار کردیا، البتہ یہ حکم جاری کیا کہ جو گائیں دودھ دینے کے لائق ہیں انہیں ذبح نہ کیا جائے بلکہ عمر رسیدہ گایوں کو ذبح کیا جائے مگر یہاں تو مسئلہ ان گایوں کا ہے جو باکھڑی ہیں، یعنی جو دودھ بھی نہیں دیتی اور بیمار بھی ہیں تو گائے کا مالک غریب ہونے پر ان کی پرورش میں تکلیف محسوس کرے گا، اس لئے اگر گئو ہتیا پر پابندی لگادی گئی تو ظاہر ہے کہ سڑکوں اور بازاروں میں باکھڑی اور بیمار گایوں کی چلت پھرت زیادہ ہوسکتی ہے۔ ایسے موقع پر برادرانِ وطن (ہندوؤں) کا جو مشن ہے پیسہ خرچ کرکے گوشالائیں بنا کر گایوں کی حفاظت کریں تو مسلمان اس کی حمایت کریں گے۔

برادرانِ وطن سے اپیل : اس ملک میں مسلمانوں کو چھوڑ کر دیگر اقوام جو گائے کا گوشت کھاتی ہیں؛ خواہ حلال ہو یا مردار ان کی تعداد کروڑوں سے اوپر ہے۔ پھر گائے کا چمڑا استعمال کرنے والے، جوتے کا کارخانہ چلانے والے، گوشت اور چمڑے کا ایکسپورٹ کرنے والے عالمگیر پیمانے پر اس تجارت سے کروڑوں اربوں کے وارے نیارے کرنے والے ہمارے مرکز اور صوبوں کی وہ حکومتیں جو گائے کا گوشت، گائے کا چمڑا اور گائے کی چربی سے اربوں کھربوں روپیہ حاصل کرتی ہو اور عالمی پیمانے پر کھربوں روپے کی تجارت کا سہارا محض ہندوستانی گائے ہو۔ جس مذہب کے لوگ سانپ کو دودھ پلانے میں نیکی سمجھتے ہوں وہ گائے کے مسئلہ پر مسلمانوں کا قتل عام کریں گے، عقل سے بالاتر ہے لیکن غلط فہمی، اشتعال انگیزی، غیض وغضب اور صدیوں کے مغالطہ کی وجہ سے فرقہ وارانہ فساد کا آتشی لاوا پھوٹ جاتا ہے، ہندوستانی مسلمان، ہندوستان ہی کی مٹی سے بنے ہیں، ...... بقیہ ص ۴۰ پر

شامی پناہ گزینوں کا سنگین بحران

✦ عبدالباری مسعود

دوسری عالمی جنگ کے بعد پناہ گزینوں کا بدترین بحران ۔دس لاکھ پناہ گزینان بازآبادکاری کے لئے بے قرار۔شام کے چالیس لاکھ پناہ گزین ترکی، لبنان، اردن، عراق اور مصر میں زندہ رہنے کی تگ ودو میں مصروف ۔ شام میں تقریباً ۷۰ ؍لاکھ افراد بے گھر ہو چکے ہیں ۔ براعظم افریقہ کے نیم صحراوی خطہ میں تیس لاکھ پناہ گزین، سال ۲۰۱۳ء کے بعد سے ایک معمولی تعداد کو دوبارہ بسایا جا سکا۔ سال ۲۰۱۴ء میں ۳.۵۰۰ا افراد بحیرہ روم پار کرنے کی کوشش میں ڈوب کر ہلاک، جب کہ امسال اب تک اس کوشش میں ۱۸۶۵، افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ انڈومان کے سمندر میں ۲۰۱۵ء کے ابتدائی تین مہینوں میں فاقہ کشی ، پیاس اور کشتیوں کے عملے کے ناروا سلوک کے باعث ۳۰۰ا افراد (روہنگیا) جاں بحق۔

یہ وہ سنگین نکات ہیں جن کا احاطہ اقوام متحدہ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کی دو علیحدہ رپورٹوں میں کیا گیا ہے جو اقوامِ متحدہ کی طرف سے ۲۰؍جون کو پناہ گزینوں کا عالمی دن کا اہتمام کئے جانے سے قبل جاری کی گئیں۔ ۲۰؍جون کو ہر سال یہ دن منایا جاتا ہے جس میں عالمی برادری کو نکتہ چینی کا ہدف بناتے ہوئے کہا گیا کہ وہ اس انسانی المیہ پر اپنا مفوضہ کردار ادا نہیں کر رہی ہے۔

ان عالمی اداروں کے مطابق کرۂ ارض دوسری عالمی جنگ (جو اصلاً عیسائی قوموں کے درمیان جنگ تھی) کے بعد پہلی مرتبہ پناہ گزینوں کے بدترین بحران سے گزر رہا ہے۔ سردست پناہ گزینوں کی تعداد چھ کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے جو ایک ریکارڈ ہے۔ وہیں دوسری طرف بچے اس انسانی المیہ کا سب سے زیادہ شکار بن رہے ہیں۔ شاید ہی کوئی اس بات پر یقین کرے گا کہ پناہ گزینوں کی کل تعداد میں نصف سے زائد بچے ہیں۔ ملک شام، عراق، صومالیہ، لیبیا، تیونس، مصر اور یمن نیز افغانستان اور بعض افریقی ممالک کے علاوہ یوکرائن خانہ جنگی، مسلح تصادم اور جنگ وجدل کی تصویر بنے ہوئے۔ ان ملکوں میں لاکھوں شہریوں نے ہمسایہ ملکوں میں پناہ لے رکھی ہے۔ یا وہ اپنے ہی ملکوں میں بے گھر ہو چکے ہیں۔ بالخصوص شام کی صورت حال سب سے زیادہ تشویشناک ہے جہاں کی اب تقریباً

نصف آبادی پناہ گزین اور بے گھر ہو چکی ہے۔ گزشتہ چار سال سے عرب دنیا کے اس قدر حسن سے مالا مال ملک میں وقت کے سب سے بڑے استبدادی آمر اور موروثی حکمراں نے اپنا اقتدار بچانے کے لئے قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کر رکھا ہے کہ اس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی۔ دیگر ملکوں میں کم و بیش ایسی ہی صورتِ حال ہے، جن کی ایک بڑی آبادی انخلاء کے لئے مجبور ہوئی ہے۔

پناہ گزینوں کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے مگر سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ مغربی دنیا جو بزعم خود اپنے کو سب سے زیادہ مہذب اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کا علمبردار تصور کرتی ہے وہ اس بحران کے تئیں کچھ زیادہ فکر مند نہیں ہے۔ دنیائے اقوام کی مشترکہ پارلیمان اقوام متحدہ بھی اس معاملہ میں بے بس نظر آتی ہے۔ خود اقوامِ متحدہ کے ہائی کمشنر برائے پناہ گزین (UNHCR) کے مطابق دنیا میں پناہ گزینوں کی تعداد میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے۔ یہ اضافہ دنیا کے مختلف حصوں میں بڑھتی ہوئی جنگ و جدل اور لڑائیوں کے سبب ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں UNHCR کی تازہ رپورٹ انسانیت میں یقین رکھنے والے ہر فرد کے لئے تشویش کا باعث ہونی چاہئے۔ اس کے مطابق ۲۰۱۴ء میں پناہ گزینوں کی تعداد چھ کروڑ تک پہنچ گئی ہے جو ۲۰۱۳ء میں تقریباً پانچ کروڑ دس لاکھ تھی۔ پناہ گزینوں کی یہ ایک ریکارڈ تعداد ہے یعنی دنیا کے ہر ۱۲۲ میں سے ایک فرد وطن بدر یا بے گھر ہو چکا ہے اور پناہ گزینی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

پناہ گزینوں کے ہائی کمشنر انتونیو گٹرس نے کہا کہ یہ امر قابل تشویش ہے کہ جو لوگ جنگ و جدل برپا کر رہے ہیں ان کی کوئی گرفت کرنے والا نہیں ہے جب کہ دوسری طرف عالمی برادری ان جنگوں کو بند کرنے اور امن کے قیام کے لئے کوئی مشترکہ کاوش کرنے میں پوری طرح ناکام ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے لبنان کے دارالحکومت بیروت میں، دی گلوبل رفیوجی کرائسس (پناہ گزینان کا عالمی بحران) کے عنوان سے اپنی رپورٹ جاری کرتے ہوئے کہا کہ عالمی رہنماؤں نے اس سنگین مسئلہ کے بارے میں معنی خیز خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ ان کے لئے لاکھوں کی تعداد میں پناہ گزینوں کی موجودگی ناقابل برداشت بن گئی ہے۔

ایمنسٹی کے سکریٹری جنرل سلیل شیٹی کے بقول: ''ہم اپنے دور کے ایک بدترین بحران سے گزر رہے ہیں، لاکھوں کروڑوں عورتیں، بچے اور مرد اپنی جانیں بچانے کی جدو جہد کر رہے ہیں جو بے رحم جنگوں، انسانی اسمگلنگ اور ان حکومتوں کے عتاب کا شکار بن رہے ہیں جو بنیادی انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے خود غرضانہ سیاسی مفادات کو پورا کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا کہ ان پناہ گزینوں میں نصف سے زائد بچے ہیں۔ ہائی کمشنر نے یہ بھی شکوہ کیا کہ ان پناہ گزینوں کی دیکھ بھال کے لئے پیسوں کی بھی سخت قلت ہے اور جنگ سے متاثرین کو تحفظ فراہم کرنے کی غرض سے عالمی سطح پر کوئی موثر انتظام نہیں ہے جب کہ یہ انسانی ہمدردی، مدد اور پناہ کے مستحق ہیں لیکن انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ جنگ و جدل، مسلح تصادم کا مرکز اب یورپ یا امریکہ نہیں رہا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس خون خرابہ سے سب سے زیادہ متاثر اسلامی دنیا ہے۔ تقریباً ۵۶/ اسلامی ملکوں میں سے آٹھ دس ملکوں میں خانہ جنگی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ اسی طرح وہ علاقے بھی ہیں جہاں مسلمان اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان میں فلسطین، سنکیانگ، فلپائن اور دیگر علاقے شامل ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں عراق، شام، یمن، لیبیا، مصر اور صومالیہ کے علاوہ افغانستان وغیرہ ایک طویل عرصہ سے خانہ جنگی کا شکار ہیں۔ جہاں انسانی خون کی ارزانی کسی سے چھپی نہیں ہے۔ یہاں اپنے ہی اپنوں کا خون بہانے میں کوئی دریغ نہیں کر رہے ہیں۔ مغرب کے پروردہ حکمرانوں نے اپنے اقتدار کے دوام کی خاطر اپنے ہی ملکوں کو خانہ جنگی میں دھکیل دیا ہے۔

مشرق وسطیٰ کے علاوہ براعظم افریقہ کے کئی ملکوں میں جاری باہمی آویزش اور خون خرابہ نے بھی پناہ گزینوں کے بحران کو شدید سے شدید تر کر دیا ہے۔ حالیہ دنوں میں بحر روم کے ساحلوں پر سینکڑوں پناہ گزین موت کا نوالہ بن چکے ہیں۔

اس بارے میں اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے متعلق اور انٹرنیشنل آرگنائزیشن فار مائیگریشن کے افسران نے ایک مشترکہ بیان جاری کرتے ہوئے یوروپی یونین پر زور دیا تھا کہ وہ ان پناہ گزینوں کے تحفظ کا انتظام کرے جو بحر روم سے یوروپ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بیچ سمندر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے حقوق انسانی کے ماہرین نے یوروپی یونین کو خبردار کیا تھا کہ غیر قانونی طریقہ سے ترک وطن کرنے والوں کے مسئلہ کو محض طاقت کے استعمال کے ذریعہ روکا نہیں جا سکتا کیوں کہ بیشتر تارکین وطن سمندر کی لہروں کا شکار بن جاتے ہیں۔ ادھر برما میں بودھ انتہا پسندوں نے روہنگیا مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ ان انتہا پسند تنظیموں کو وہاں کی فوجی حکومت کی اعلانیہ حمایت حاصل ہے۔ اب تک لاکھوں روہنگیا مسلمان اپنی جان بچانے کی غرض سے ملک چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں وہ ہندوستان کا بھی رخ کر چکے ہیں۔ دہلی اور ملک کے دیگر مقامات پر وہ انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان بدقسمت انسانوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ اس سال کے ابتداء میں انڈونیشیا، ملائشیا اور تھائی لینڈ نے ان روہنگیا مسلمانوں کی کشتیوں کو اپنے ساحلوں پر آنے سے روک دیا تھا۔ بعدازاں عالمی دباؤ کے نتیجہ میں ان ملکوں نے سات ہزار افراد کو عارضی پناہ دینے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ ہندوستان میں بعض ملی تنظیمیں اپنی استطاعت کے مطابق ان برمی مظلوموں کی مدد کر رہی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس سنگین مسئلہ پر اسلامی دنیا ان کی مدد کے لئے آگے آتی مگر سوائے بیانات کے اب تک ان مظلوموں کے لئے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا گیا۔ البتہ پاکستان نے اقوامِ متحدہ میں ایک قرارداد منظور کروائی ہے۔

اسی طرح عالم اسلام کے قلب یعنی مشرقِ وسطیٰ کے کئی ملکوں میں میدانِ کارزار برپا ہے۔ ان ملکوں میں اقتدار کی کشمکش مسلکی رنگ اختیار کرچکی ہے۔ یمن میں جاری برادرکشی کے نتیجہ میں وہاں صحت عامہ کی صورتِ حال مخدوش ہوچکی ہے۔ اس جنگ کی زد میں لاکھوں بچے آچکے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے بچوں کے متعلق ادارہ یونیسیف نے متنبہ کیا ہے کہ لاکھوں بچے ایسی بیماریوں کی زد میں ہیں جن کی کبھی روک تھام نہیں کی جاسکتی ہے۔ یونیسیف کے ترجمان کرسٹوف بولیرچ نے کہا کہ خلیج کی جنگ زدہ ریاستوں کے لاکھوں بچے ٹیکہ کاری کی مہم کے متاثر ہوجانے کی وجہ سے مختلف بیماریوں کا شکار بن سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں بجلی اور ایندھن کی قلت کے سبب اسپتالوں میں طبی خدمات متاثر ہوئی ہیں۔ والدین جنگ میں شدت کی وجہ سے پریشان ہیں۔ انہیں اندیشہ ہے کہ ان کے بچوں کو مناسب ٹیکے نہیں مل پائیں گے۔ ایک تخمینہ کے بموجب ۱۵ سال سے کم عمر ۲۶ لاکھ بچے خسرہ کا شکار ہوسکتے ہیں۔ یہ خطرناک بیماری خانہ جنگی اور آبادیوں کے اجڑ جانے کی وجہ سے زیادہ پھیلتی ہے۔ خیال رہے کہ یمن کی خانہ جنگی میں اب تک ہزاروں افراد کی جانیں گئی ہیں۔ سعودی عرب اور اس کے اتحادی ملکوں کی بمباری کے سبب گزشتہ تین ماہ میں ہزاروں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں جب کہ دس لاکھ سے زائد لوگ اپنے آبائی مقامات سے نقل مکانی کرچکے ہیں۔ یمن کے بارے میں اقوام متحدہ کے ادارہ فوڈ اینڈ ایگری کلچر آرگنائزیشن نے ایک سروے کیا۔ اس جائزے کے مطابق اس غریب ملک میں ۶۰ لاکھ سے زائد نفوس شدید فاقہ کشی کا شکار ہوسکتے ہیں۔ اس تنظیم نے کہا کہ اگر فوری ہنگامی نوعیت کے اقدامات نہیں کئے گئے تو یہاں سنگین غذائی بحران پیدا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح یونیسیف نے بھی خبردار کیا ہے کہ اگر یمن میں صورتِ حال اسی طرح حد سے بدتر ہوتی رہی تو آئندہ ماہ بارہ مہینوں میں پانچ لاکھ بچے شدید ناقص تغذیہ کا شکار بن سکتے ہیں۔

لیکن سب سے زیادہ براحال شام کا ہے، جہاں کی ایک تہائی آبادی نقل مکانی کرکے اردن، ترکی، لبنان اور دوسرے ملکوں میں پناہ لے چکی ہے۔ ان چالیس لاکھ سے زائد پناہ گزینوں میں ۹۵ فیصد کی عمر محض پانچ سال ہے۔ ان ہمسایہ ملکوں کو اس انسانی بحران پر قابو پانے میں بڑی مشکلات پیش آرہی ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ تین سالوں سے جاری خانہ جنگی میں شام کے بچے ''ناقابل بیان'' مصائب سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس کے لئے حکومت اور عسکری تنظیمیں دونوں ذمہ دار ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے اس رپورٹ میں کہا کہ دونوں فریقوں کو حقوقِ انسانی کے پامالی کا سلسلہ فی الفور بند کرنا چاہئے اور بغیر کسی تاخیر کے وہ تمام اقدامات کرنے چاہئیں جن سے شام میں تمام بچوں کے حقوق کی حفاظت ہوسکے۔ رپورٹ میں جہاں بشارالاسد کے خلاف برسرِپیکار مسلح تنظیموں کی نکتہ چینی کی گئی ہے وہاں سرکاری افواج پر بھی یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ بچوں کے خلاف تشدد، حراست میں لینے اور بدترین ایذا رسانی (ٹارچر)،

آبادی کوخوف زدہ کرنے کی غرض سے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سرکاری افواج گیارہ سال سے بھی کم عمر بچوں کو محض اس شبہ میں گرفتار کر رہی ہے کہ ان کا تعلق مسلح تنظیموں سے ہے۔ ان بچوں کے ساتھ انتہائی غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے۔ ان پر تشدد کیا جاتا ہے اور ان کے والدین یا رشتہ داروں کو خود سپردگی کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔

''غیر انسانی سلوک جو تعذیب (ٹارچر) کی تعریف میں آتا ہے۔ اس میں بچوں کی دھات کے تاروں سے پٹائی، لکڑی اور لوہے کے ڈنڈے سے پٹائی، بجلی کے جھٹکے دینے بالخصوص ان کے پوشیدہ اعضاء کو جھٹکے دینے، انگلیوں اور پیر کے ناخن کھینچنے، جنسی تشدد بشمول عصمت ریزی یا اس کی دھمکی، سگریٹ سے جلانے، نیند سے محروم رکھنے، تنہائی میں بند رکھنے، ان کے رشتہ داروں پر کئے گئے تشدد کو دکھانے کے علاوہ ان بچوں کے سامنے پھانسی کی سزا کی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔''

اقوامِ متحدہ کی اس رپورٹ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بشارالاسد اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے کتنے سنگین جنگی جرائم میں مبتلا ہے لیکن اس کی کوئی گرفت کرنے والا نہیں ہے۔ رپورٹ میں مزید یہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ ''بچوں کو ان کے جسم کے کسی حصہ یا ہتھیلی کی مدد سے دیوار سے لٹکایا جاتا ہے۔ پٹائی کرتے وقت ٹائر میں ان کے سر، گردن اور پیروں کو ڈالا جاتا ہے، نیز ایک تختہ سے باندھ کر ان کی پٹائی کی جاتی ہے'' رپورٹ میں ایک سولہ سالہ بچے کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ایک چودہ سالہ لڑکے پر جنسی تشدد ہوتے دیکھا، بعد ازاں اس لڑکے کو مار دیا گیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کے علاوہ کئی لڑکیوں کی بھی عصمت ریزی کی گئی۔ اس لڑکے نے بتایا کہ بچوں اور مردوں کو لوہے کی سلاخوں سے مارا جاتا ہے، ان کی انگلیوں کے ناخن کھینچ دیئے جاتے ہیں اور ان کی انگلیاں کاٹ دی جاتی ہیں یا انہیں اس وقت تک ایک ہتھوڑے سے مارا جاتا ہے جب تک ان کا دم نہیں نکل جاتا۔'' خانہ جنگی سے متاثرہ ان ملکوں میں بچوں پر جس طرح کا ظلم وستم روا رکھا جا رہا ہے ان کے حقوق پامال کئے جا رہے ہیں بالخصوص شام اور عراق میں وہ سخت تشویش کا باعث ہیں۔ ایمنسٹی نے بھی اپنی رپورٹ میں کہا کہ بحیرہ روم میں واقع ہمسایہ امیر ملکوں نے شام کے پناہ گزینوں کے تعلق سے انسانی ہمدردی کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ امریکہ جس کی غیر ملکی شہریوں کے لئے اپنے دروازے کھولنے کی قابل فخر روایت رہی ہے اس نے بھی گزشتہ چار سالوں میں صرف ایک ہزار شہری پناہ گزینوں کو سرحد میں قدم رکھنے کی اجازت دی ہے۔ عراق میں کم وبیش یہی حالات ہیں۔ یونیسیف کے مطابق عراق میں گذشتہ ایک سال میں بچوں کے خلاف تشدد میں ۷۵ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ ان کے حقوق پامال کئے جا رہے ہیں۔ عراق کے موصل اور تکریت میں بڑے پیمانے پر مختلف فرقوں کے افراد کو نقل مکانی پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ لیکن یہاں بچوں کے لئے حالات سب سے زیادہ ناگفتہ بہ ہیں۔ گذشتہ

سال ۱۵-۲۰۱۴ء میں ۶۵۰،۰۰۰ سے زائد بچوں نے اسکول کا منہ نہیں دیکھا۔ جب کہ تیس لاکھ بچے باقاعدگی سے اسکول نہیں جا پارہے ہیں۔ ان مذکورہ سنگین حقائق کی عکاسی اقوام متحدہ کے مختلف اداروں کی جائزرپورٹوں میں کی گئی ہے۔ بلاشبہ پناہ گزینوں کا بحران اکیسویں صدی کے اہم چیلنجوں میں سے ایک ہے۔ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ بین الاقوامی برادری کا رویہ شرمناک ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایمنسٹی نے پناہ گزینوں کے تحفظ کے نظام کو بہتر بنانے اور حکومتوں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس کرنے کی ضمن میں کئی تجاویز پیش کی ہیں۔ ان میں پناہ گزینوں کے لئے گلوبل رفیوجی فنڈ کا قیام تاکہ اقوام متحدہ کی پناہ گزینوں کے مسئلہ پر انسانی بنیادوں پر کی گئی اپیلوں پر عمل آوری ہوسکے اور اسے مالی وسائل دستیاب ہوں اور یواین رفیوجی کنونشن اور ہر ملک میں پناہ گزینوں کے دعوں کے جائزوں کے لئے انتظامی عمل کو بہتر بنانے نیز پناہ گزینوں کے تعلیم اور علاج ومعالجہ تک رسائی کو یقینی بنانے کی تجاویز شامل ہیں۔ ایمنسٹی نے کہا کہ دنیا کو لبنان اور ترکی پر پناہ گزینوں کا جو بوجھ پڑا ہے، اس پر خاموش تماشائی بنا نہیں رہنا چاہئے۔ دنیا کے کسی ملک کو جہاں پناہ گزینوں کی شکل میں یہ انسانی آفت آئی ہے اور اسے اکیلا بے یارومددگار اس لئے نہیں چھوڑ دینا چاہئے کہ اس کی سرحدیں اس ملک سے نہیں ملتی ہیں، اس لئے اس ملک کی معمولی مدد پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر طرح کی مدد بہم پہنچانا چاہئے۔



بقیہ ص ۳۴ کا......اس مٹی میں وہ دفن ہوتے ہیں، ان کی آبرو ہندوستان کی آبرو، ان کی عزت ہندوستان کی عزت، ان کی ترقی ہندوستان کی ترقی ہے۔ ایسا ماننے سے کون انکار کرسکتا ہے، مگر جب ماحول غلط فہمی کا شکار ہوجائے، سیاسی ڈاکہ گری کرنے والے جب اپنا کرتب دکھانے لگے اور اخبار والے فرقہ پرستی کا زہر اگلنے لگیں تو ان حالات میں کوئی معمولی واقعہ بھی ہزاروں انسانوں کے فنا کے گھاٹ اتر جانے کے لئے کافی ہوتا ہے، بھارت میں ''تحفظ گائے'' کے لئے جو تنظیمیں کام کررہی ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ ملک گیر سطح پر ایک سیمینار بلوائیں تو اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی معلومات اور 'گائے کے قتل' کے بارے میں بے شمار خبریں آپ کو مل جائیں گی اور حقیقت مزید آشکارا ہوجائے گی۔ بہرحال مسلمان ہمیشہ گائے سے دور بھاگتے رہے، مگر گائے ہے کہ انہیں کے گلے باندھی جاتی رہی ہے تو کوئی کیا کرے؟ اگر سماج کے سمجھ دار عناصر بھی سچ کو سچ ماننے کو تیار نہ ہوں تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے ؎

نرالی ہے عدالت مدعی خود جس کے قاضی ہیں
یہاں جو بے خطا نکلے اسے چھوڑا نہیں جاتا



اماں کی یاد میں

✦ مولانا عبدالرشید بستوی/استاذ حدیث جامعہ ھٰذا

احقر کی والدہ مورخہ ۴/اکتوبر ۱۵ء بروز اتوار بعد نماز مغرب، پچاسی سال سے زیادہ کی عمر میں، تقریباً ڈیڑھ ماہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد، وفات پا گئیں۔ إنا لـلّٰه و إنا إليه راجعون۔ گاؤں اور اطراف میں گزشتہ ایک ماہ سے بارش نہ ہونے کے سبب، تمام لوگ آب پاشی کے حوالے سے بے حد مصروف تھے، بایں ہمہ جنازے میں ایک بڑی تعداد شریک رہی۔

والدہ دو ڈھائی سال کی ہی تھیں کہ نانا مرحوم کا عین جواں سالی میں اچانک انتقال ہو گیا۔ والدہ ان کی پہلی اور اکیلی اولاد تھیں۔ کچھ برس نانی مرحومہ والدہ کو لے کر مائیکہ میں قیام پذیر رہیں، پھر اعزہ و اقارب نیز اہل خاندان کے مشورے پر نانا کے سگے بھائی اور احقر کے دادا مرحوم سے ان کا نکاح ہو گیا۔ ان ابتدائی چند سالوں کے دورِ یتیمی کے علاوہ، زندگی کے باقی تمام حصہ میں، والدہ معاشی یا گھریلو قسم کی کسی قابلِ ذکر تنگی و پریشانی میں مبتلا نہ رہیں۔ **فالحمد لله علىٰ ذلك۔**

مرحومہ اپنے دو بھائیوں اور تین بہنوں میں سب سے بڑی تھیں اور بڑے بھائی سے بھی دس بارہ سال بڑی۔ انہوں نے ہی اپنے بھائی بہنوں کی تربیت کی، ان کی شادی بیاہ کے خانگی انتظامات بھی انہی کے ذمے تھے، تاہنوز تینوں خالاؤں سے ان کا سلوک اپنی اولاد جیسا تھا۔ گھر کی ہر چھوٹی بڑی تقریب کے موقع پر ان کو بلاتیں اور واپسی پر اسی طرح ہدایا و تحائف کے ساتھ رخصت کرتیں، جیسے ماں باپ اپنی شادی شدہ بیٹی کو رخصت کیا کرتے ہیں۔ بھائیوں کے ساتھ بھی آخری عمر تک ان کا یہی مشفقانہ سلوک رہا۔ اس لئے ان کی وفات پر ہم تین بھائی اور ایک بہن سے زیادہ، یہ لوگ متاثر اور سراپا گریہ و بکا تھے۔

والدہ کی دو دیورانیاں تھیں، مگر ہم نے والدہ کو ان کے ساتھ کبھی جیٹھانی کا سا معاملہ کرتے ہوئے نہ دیکھا، ہمیشہ ان کے ساتھ بڑی بہن کا سلوک روا رکھا۔ عید و بقرعید یا شادی بیاہ کے مواقع پر تین جوڑے کپڑے آتے، والدہ نے کبھی پہلے ان میں سے اچھا جوڑا اپنے لئے منتخب نہ کیا، بلکہ ہمیشہ دیورانیوں کے پاس بھیج دیتیں اور ان کے انتخاب کر لینے کے بعد بچا ہوا جوڑا اپنے لئے رکھ لیتیں۔ نہ کبھی اسے واپس کر کے اپنے لئے دوسرا کپڑا منگوایا اور نہ

ہی اس پر کبھی شکوہ کناں رہیں کہ مجھے خراب قسم کا کپڑا ملا۔ جب کہ گھر کے تمام امور ان کی رائے اور مرضی کے مطابق اور انہی کے مشورے سے طے پاتے تھے۔ ان کا یہی معاملہ اپنی اولاد اور ان دیورانیوں کی اولاد کی بابت بھی تھا۔ انہوں نے کسی بھی وقت چوری چھپے بھی اپنی اولاد کو ایسی کوئی چیز نہ دی جو دیورانیوں کی اولاد کو نہ دی ہو۔

ان کی دوسری خوبی یہ تھی کہ انہیں روپے پیسے اور زیورات جمع کرنے کا شوق نہ تھا، ان کے پاس جو کچھ ہوتا، اسے اپنی، دیورانیوں کی اولاد، بھائی بہنوں پر، ان کی اولاد پر اور گاؤں کے بعض غریبوں پر خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ بعض غریب خواتین کی مستقل خبر گیری رکھتیں اور عموماً اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرتی تھیں۔ والدہ کی بیماری کے دوران یہ مرد و خواتین، ہم اہل خانہ سے زیادہ ان کے لئے دعاء گو رہے۔ علالت کے گزشتہ ڈیڑھ ماہ کے دوران کئی ایک اعزہ واقارب نے والدہ کو پیسے دیے، والدہ نے یہ سارے پیسے گاؤں کی مسجد کے وضوخانہ میں ٹائل لگوانے کے لئے دے دیئے اور جو روپے بچ گئے وہ علاقہ کے ایک مدرسہ میں بھجوا دیئے۔

ان کی تیسری خوبی یہ تھی کہ وہ ان پڑھ تھیں، صرف چار یا پانچ سورتیں ہی زبانی یاد تھیں۔ مگر نماز کی بڑی پابند تھیں، ادھر کئی برسوں سے ان کی نماز تہجد بھی کبھی قضا نہ ہوئی۔ احقر نے بعض اذکار و تسبیحات کی فضیلت ان کو بتا دی تو ان پر تاعمر کاربند رہیں اور کبھی ان کے اہتمام میں تخلف نہ ہوا۔ گاؤں میں پیدا ہوئیں، وہیں پلی بڑھیں، چند ایک ماہ چھوڑ کر جو دیوبند میں احقر کے ساتھ یا بمبئی میں چھوٹے بھائی محفوظ احمد کے یہاں گزرے، ساری عمر گاؤں میں گزار دی، مگر جب وہ دعا کرتیں تو اپنی جملہ اولاد، بھائی، بہنوں، اہل خاندان اور عزیز واقارب کے ساتھ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کے لئے بھی دعاء کرتی تھیں۔

وہ ناخواندہ ہونے کے باوجود بڑی سمجھ دار، وسیع الظرف، صائب الرائے اور معاملہ فہم تھیں۔ ان کے پاس روزانہ خاندان اور محلے کی دو چار خواتین ان سے ملنے آتیں اور اپنے گھریلو معاملات میں ان سے مشورہ کرتیں۔ بار بار ایسا ہوا کہ شوہروں کی زیادتی کی جائز شکایت پر والدہ نے شوہروں کو بلا کر تنبیہ کی اور چوں کہ والدہ کا سب کے نزدیک احترام تھا، اس لئے ان کی تنبیہ یا ڈانٹ کو کوئی برا نہ سمجھتا اور اس کو اپنے لئے بہتر سمجھ کر اپنی حرکت سے باز آ جاتا۔

والدہ کی تین بہوئیں ہیں اور تینوں خدمت گزار، مگر انہوں نے بہت کم ان سے اپنی خدمت لی۔ وہ تاعمر دوسروں کی خدمت کرتی رہیں، خدمت لینے کا مزاج کبھی نہ رہا۔ صاحبِ فراش ہونے کے دوران ان کو یہ احساس بڑا شدید رہا کہ اب میں اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے تک میں دوسروں کی محتاج ہو گئی ہوں، اس کا انہوں نے اس دوران کئی مرتبہ اظہار بھی کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی کی ہر خوشی سے نوازا۔ اطاعت شعار اولاد، احترام کرنے والے بھائی بہن، بات ماننے والا خاندان، گاؤں کے اعتبار سے معاشی وسعت اور سماجی قوت و طاقت۔ کسی قسم کی تنگی یا پریشانی سے کم ہی دوچار ہوئیں۔ غالباً اس کے باعث گزشتہ دو تین سالوں سے وہ دنیا اور لذاتِ دنیا سے اکتا سی گئی تھیں اور راہِ

آخرت سدھارنے کا شوق بڑھ گیا تھا، مگر موت کا ایک وقت مقدر ہوتا ہے جو اپنے وقت پر ہی آتا ہے۔

علالت کے دوران احقر کے بھائیوں اور بہن سمیت گھر کے دیگر افراد نے ان کی ہر ممکن راحت رسانی، خدمت گزاری اور علاج و معالجہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ احقر اور اس کے بچوں کو بھی والدہ کی علالت کے دوران خدمت کرنے کا بھرپور موقع نصیب ہوا۔ یہی ایک چیز کسی قدر تسلی و اطمینان کا باعث ہے، ورنہ جو گھر پہلے بھرا پُرا اور آباد و شاداب معلوم ہوتا تھا اور جس گھر کے درو دیوار کو دیکھ کر بے پناہ مسرت کا احساس ہوتا تھا، والدہ کی وفات کے بعد اب وہی گھر ویرانہ اور سنسان لگتا ہے اور اب اس گھر پر جانے کی نہ وہ خواہش باقی رہی اور نہ وہاں جانے پر پہلی سی مسرت کا کوئی احساس ہوگا۔

والدہ کو اپنی تمام اولادمیں احقر سے سب سے زیادہ لگاؤ تھا، وہ احقر کے لئے بہت دعا کرتیں۔ ایک ہفتہ اگر فون پر گفتگو نہ ہوتی تو ان کو شکایت ہوتی، میرے جانے کے وقت ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہتا۔ گھر والے بھی یہ بات جانتے تھے اور بار بار کہتے تھے۔ علالت کے دوران جب بھی احقر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے چہرے پر ایک خاص چمک پیدا گئی اور صحت یابی کے آثار نمایاں۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ احقر کے علاوہ ان کی دوسری اولادیں ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے رہیں، جب کہ احقر پہلے پڑھنے کے لئے، پھر پڑھانے کے حوالے سے ان سے اکثر دور ہی رہا۔

ہم بھائیوں اور بہن کی تعلیم وتربیت میں، بالخصوص احقر کی تعلیم میں والدہ کا سب سے زیادہ کردار رہا۔ ہمارے بچپن میں والد صاحب دہلی میں برسرِ ملازمت تھے، اس لئے وہ براہِ راست کچھ زیادہ حصہ نہ لے سکے۔ والدہ تربیت کے معاملے میں قدرے سخت مزاج تھیں، چنانچہ یاد نہیں ہے کہ گاؤں کی مکتبی تعلیم کے دوران کسی روز ہم نے ناغا کیا ہو یا گھر سے ایک فرلانگ کی دوری پر اپنے جنگل جاتے ہوئے، دوسرے کے کھیت سے گنّا یا مٹر کی پھلی توڑی ہو۔ اس حوالے سے والدہ نے بڑی سخت تنبیہ کر رکھی تھی اور ان کا ڈر ہی تھا کہ کسی بھائی کو ایسی کوئی حرکت کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی، جب کہ باپ کی عدم موجودگی میں شاید باید ہی اولاد کی مناسب تعلیم وتربیت ہو پاتی ہے۔

احقر سے تعلق کی بنا پر والدہ کے لئے بہت سے مدارس و مساجد میں، محبین، مخلصین اور احباب و تلامذہ نے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔ حضرات اساتذہ کرام نے انتہائی کرم گستری کرتے ہوئے تعزیت و تسلی کے کلمات کہے اور دعائے مغفرت بھی۔ بعض نامہ نگاروں نے اخبارات میں والدہ کی وفات کی خبر شائع کی، جس کو پڑھ کر دور دراز کے متعلقین نے ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا۔ اس کے لئے احقر اور اس کا خانوادہ ان سب کا انتہائی ممنون و مشکور ہے اور دعاء گو ہے کہ حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ والدہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات پر فائز کرے، ان کی سیئات کو حسنات سے مبدل کرے اور ان کی جملہ حسنات و طاعات، صدقات و خیرات کو اپنی شایانِ شان قبول کرے۔ نیز احقر اور دیگر برادران و اہلِ خانہ کو ان کے حق میں زیادہ سے زیادہ صدقات جاریہ کرنے کی توفیق ارزانی۔ آمین



منبرِ نبویؐ: ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

✦ مولانا مفتی نثار خالد قاسمی / استاذ حدیث جامعہ هذا

رمضان ۳۴ھ کی بات ہے کہ میں مدرسہ کی مالی فراہمی کے کام سے کلکتہ گیا ہوا تھا، کلکتہ میں بنیاپوکھر کثیر مسلم آبادی کا ایک علاقہ ہے جہاں ایک بڑی مسجد کے امام وخطیب حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم ہیں۔

حضرت موصوف مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں سے ہیں، علم وعمل کا ذوق آشنا، کلکتہ اور اپنے علاقہ و حلقہ کے ذمہ دار علماء میں سے ہیں۔

ان کی مسجد میں ان کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھنے اور ان کے بیان سننے کا اتفاق ہوا، انہوں نے اپنے بیان کے دوران حدیث مندرجہ ذیل کی تشریح ووضاحت کی۔

روى الحاكم عن كعب بن عجرة رضى الله عنه انه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احضروا المنبر، فحضرنا فلما رقى درجة قال: آمين فلما ارتقى الدرجة الثانية قال آمين فلما ارتقى الدرجة الثالثة قال : آمين فلما نزل قلنا : يارسول الله لقد سمعنا منك اليوم شيئا ما كنا نسمعه قال ان جبرئيل عرض لى فقال بعد من ادرك رمضان فلم يغفر له قلت: آمين فلما رقيت الثانية قال: بعد من ذكرت عنده فلم يصل عليك فقلت: آمين فلما رقيت الثالثة قال: بعد من ادرك ابويه الكبر عنده او احدهما فلم يد خلاه الجنة قلت: آمين (وفاء الوفا باخبار دارا المصطفى. ص:۴۰۱)

اس حدیث کی تشریح کے دوران انہوں نے بہت زور دے کر یہ کہا کہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے جو منبر بنایا گیا تھا اس میں مستقلاً تین زینے تھے اور جہاں آپ علیہ السلام بیٹھتے تھے وہ ان تین زینوں سے الگ تھی اور ہماری یہ مسجد جب پھر سے بن رہی تھی تو میں نے منبر شریف کو نمونہ بنا کر اپنی مسجد کا منبر بھی اسی طرح بنوایا کہ اس میں تین زینے ہیں اور خطیب کے بیٹھنے کی جگہ ان زینوں سے اوپر بنی ہوئی ہے۔

ان کی یہ بات تو مجھے اُس وقت کھٹکی تھی مگر اس وقت بچند وجوہ اس تعلق سے ان سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی، پھر جب شوال میں دیوبند آیا تو یہاں سے ایک دستی خط ان کے نام روانہ کیا، جس میں چند حوالجات کی روشنی میں یہ واضح کیا تھا کہ حدیث مذکورہ سے استشہاد میں جناب والا سے چوک ہوئی ہے مگر معلوم نہیں کہ انہوں نے اُس خط کو کیا جانا کیا نہیں۔ ابھی گذشتہ رمضان ۳۶ھ میں جب علیک سلیک کے بعد تعارف ہوا تو ان کا انداز کچھ اس طرح کا سامنے آیا کہ جس سے میں نے یہ جانا کہ وہ مجھے ہی غلطی پر جان رہے ہیں۔ اس لئے شوال میں آ کر اس پر مزید کتابوں کی مراجعت کی۔ مراجعت کے بعد جو کچھ میں نے پایا وہ ناظرین کی خدمت میں عرض ہے اور مقصد کسی کی حاشا وکلا ہتک عزت نہیں ہے بلکہ لوگوں پر یہ واضح کرنا ہے کہ اس قسم کی غلط فہمی کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟

سبھی جانتے ہیں کہ کوئی بات اپنی جگہ معمولی سی ہوتی ہے مگر اس کے حاشیہ میں یا اندرون کچھ ایسے نکات ہوتے ہیں کہ پھر وہ معمولی نہیں رہ جاتی۔ انتہا سے زیادہ غیر معمولی اور بڑی اہم ہو جاتی ہے۔

بطور مثال (۱) نفل روزہ رکھنا پانچ دنوں (عیدین کے ایام اور عید الاضحی کے بعد کے تین ایام گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں) کے علاوہ کسی بھی دن جائز ہے خواہ وہ جمعہ ہی کا دن کیوں نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنے نفلی روزہ رکھنے کے لئے جمعہ دن کو خاص کر لے اس لئے کہ وہ افضل الایام ہے، ہفتہ کا یوم عید ہے، شریعت اس سے منع کرتی ہے۔ حدیث میں ہے: **لا تختصوا یوم الجمعة بصیامن عن بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه احدکم.** (مسلم شریف عن ابی ہریرۃ ص۳۶۱، ج۱، مشکوٰۃ شریف، ص۱۷۹)

حدیث مذکورہ بالا میں جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھنا مگر خصوصیت سے اس دن روزہ رکھنے کو منع کیا گیا ہے کیوں کہ اس میں بے جا تعظیم مترشح ہوتی ہے جو ایک فتنہ کا ذریعہ بن سکتا ہے اور کچھ بعید نہیں ہے کیوں کہ ازیں قبل یہودی شنبہ کے دن کے حوالہ سے اور نصرانی یکشنبہ کے دن کے حوالہ سے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ دہلویؒ نے ممانعت کی وجوہ اربعہ میں سے ایک وجہ ان الفاظ میں لکھا ہے **الثانی خوف المبالغه فی تعظیمه فیفتتن کما افتتن الیهود بالسبت والنصاری بالاحد الخ.**

(۲) خاتم الانبیاء ﷺ نبی بھی ہیں، رسول بھی۔ یہ وہ بات ہے جسے امت کا ہر فرد جانتا ہے مگر دیکھئے بخاری شریف جلد اول، ص۳۸ میں یہ حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک دعاء تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ جب تم سونے جاؤ تو وضو کر لو اور داہنی کروٹ سو کر یہ دعا پڑھو **اللهم اسلمت وجهی الیك و فوضت امری الیك و الجأت ظهری الیك رغبة و رهبة الیك لا ملجأ ولا منجا الا الیك اللهم آمنت بکتابك الذی انزلت وبنبیك الذی ارسلت.** اگر یہ دعا پڑھ کر سوئے اور اسی رات مر گئے تو فطرتِ اسلام پر موت ہوگی۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دعاء یاد کی، پھر آپ علیہ السلام کو سنائی تو میں نے بجائے بنبیك کے برسولك پڑھا تو آپ نے ٹوک دیا اور پھر فرمایا کہ وہی والا لفظ بولو جو میں نے بتایا تھا یعنی بنبیك الخ ہی بولو۔

غور کیا جائے کہ آپ علیہ السلام نے کیوں ٹوکا؟ حالاں کہ بظاہر کوئی فرق تو نہیں تھا، ہم تو آپ علیہ السلام کو نبی بھی مانتے ہیں، رسول بھی مانتے ہیں، نیز وصفِ رسالت تو نبوت کے وصف کو بھی مستلزم ہے مگر بات یہ ہے کہ جہاں آپ کی باتوں کو من وعن محفوظ کرنا مقصود ہے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ آپ علیہ السلام کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہوجائے جو آپ علیہ السلام نے نہ کہی ہو، کیوں کہ آپ علیہ السلام کی بات تو وحی ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ نے جو کہا اسے ہی تلفظ کیا جائے ورنہ آگے چل کر نہ جانے کیا سے کیا ہوجائے گا۔

یوں تو نصوصِ شریعت میں اگر ڈھونڈا جائے تو بے شمار مثالیں ملیں گی، مگر یہی دو مثالیں میرے اس مدعی کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ:

(۱) ایک بات گو کہ بظاہر نظر معمولی سی دکھائی دے مگر درحقیقت بعض وجوہ سے وہ بڑی اہم ہوتی ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ سے جو بات یا جو عمل جس طرح ثابت و متحقق ہو اس کو اسی طرح جاننا اور ماننا اور امت کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔

آمدم برسرِ مطلب: تمہیدی ان چند کلمات کے بعد اصل مقصد کی طرف آنا چاہیئے۔ حدیث کی کتابوں میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے:

روی یحیی ابن الحسن عن جابر بن عبداللّٰه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم رقی المنبر، فلما رقی الدرجة الاولیٰ قال: آمین ثم رقی الدرجة الثانیة فقال: آمین ثم رقی الدرجة الثالثة فقال: آمین فقالوا: یارسول اللّٰه سمعناك قلت آمین ثلث مرات قال: لما رقیت الدرجة الاولیٰ جاء جبرئیل علیه السلام فقال: شقی عبد ادرك رمضان فانسلخ عنه فلم یغفر له قلت: آمین ثم قال: شقی عبد ذکرت عنده فلم یصل علیك قلت: آمین ثم قال شقی عبد ادرك والدیه او احدهما فلم یدخلاه الجنة فقلت: آمین. (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ص ۱۰۴، ج ۲)

حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام محسنِ کائنات وانسانیت ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ علیہ السلام منبر شریف کے زینوں پر جلوہ افروز ہورہے ہیں۔ پہلے زینہ پر جب آپ نے قدم مبارک رکھا تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ بدبخت ہوجائے وہ جس کو رمضان کا ماہِ مبارک ملا مگر وہ اپنی نا کردنی افعال واعمال کی وجہ سے اپنے گناہ نہ بخشوا سکا۔ حضرتؐ نے اس پر آمین کہا، پھر جب دوسرے زینے پر قدم رکھا تو جبرئیل امین نے کہا کہ بدبخت وبرباد ہوجائے وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر ہوا اور وہ آپ ﷺ پر درود وسلام

نہ بھیجے۔ آپ نے اس پر آمین کہا۔ پھر جب آپ ﷺ نے تیسرے زینے پر قدم رکھا تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ بدنصیب ہو جائے وہ شخص جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی کو بڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت کر کے انہیں خوش رکھ کر دخولِ جنت کا حق دار نہ بن سکا، اس پر آپ ﷺ نے کہا آمین۔

اس روایت میں آپ ﷺ کے لئے جو منبر بنا تھا اس کے تین درجوں کا ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے تیسرے زینے پر بھی اس موقع پر قدم رکھا ہے۔

اس روایت سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے کہ آپ علیہ السلام کا منبر شریف تین زینوں کا تھا اور آپ کے بیٹھنے کی جگہ ان تینوں زینوں سے اوپر اور الگ تھی یعنی مستقل تھی۔

دھوکہ کھانے والوں میں متقدمین علماء میں علامہ کمال الدین صاحبِ حیوۃ الحیوان کا ذکر بھی ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ سمہودیؒ نے لکھا ہے: **و قال كمال الدين الدميری فی شرح المنهاج: و كان صلی اللّٰه عليه وسلم منبره ثلاث درج غير الدرجة اللتی تسمی المستراح.** (وفاء الوفاء ص۴۰۰)

ہمارے زمانے میں میری معلومات میں یہی دھوکہ ہمارے برادر بزرگ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی زید مجدہٗ کو ہوا ہے۔ چنانچہ میں ان کی مجلسِ بیان میں موجود تھا اور وہ اس روایت مذکور کی وضاحت کرتے ہوئے بڑے ہی زور وقوت کے ساتھ استشہاد میں یہ فرما رہے تھے چوں کہ آپ ﷺ کا منبر شریف تین زینے اور ایک مجلس پر مشتمل تھا، اس لئے جب اپنی مسجد میں منبر بننے کا وقت آیا تو میں نے اس کے بھی تین زینے بنوائے اور ان کے اوپر مستقلاً مجلس یعنی وہ جگہ بنوائی جہاں امام اپنے خطبوں کے درمیان وقفہ میں بیٹھتا ہے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ کسی شخص کا کوئی ایسا کام کرنا جو فی نفسہٖ مباح ہو یا بضرورت اسے کیا جا رہا ہو پھر وہ اسے اپنی ہی طرف منسوب کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے مگر وہ اُس کام کو اگر شریعت وسنت کے حوالے سے کرے یا بیان کرے تو پھر اس پر دلیل وسند کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ کام حد درجہ معیوب وقبیح شمار کیا جائے گا۔

آج کے دور کی جتنی بھی بدعات وخرافات ہیں ان کے غلط ہونے کی بجز اس کے اور کیا وجہ ہے کہ اس میں افراط سے کام لیا گیا ہے اس میں کوئی فاسد خیال دراندازہو گیا ہے اس کو سنت نبوی سے جوڑ دیا گیا ہے۔

مثلاً قیامِ میلادی کی جو قباحت ہے وہ یہی تو ہے کہ اس میں رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا فاسد اعتقاد شامل کر دیا گیا ہے ورنہ تو نفس قیام کسی بزرگ کی بہ نفس نفیس آمد وتشریف آوری پر کون ہے جو اس کو غلط کہے گا۔ ابوداوٗد شریف کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف باب الصافحہ والمعانقہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: **كانت اذا دخلت عليه قام اليها فاخذ بيدها و قبلها و اجلسها فی مجلسه و كان اذا دخل عليها قامت اليه فاخذت بيده فقبلته و اجلسته فی مجلسها.**

اسی طرح آج ہم سب کا دستور ہے کہ جب ہمارے کمرے میں ہمارے کوئی حضرت، استاذ آتے ہیں تو ہم ان کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ اس لئے غلط نہیں ہے کہ ہم جن کی آمد پر کھڑے ہوئے ہیں وہ ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ اب کوئی اگر آپ ﷺ کی تعظیم میں محفل میلا کے قیام کو اس پر قیاس کرے اور اس کو ایک شرعی کام جانے تو انتہائی غلط ہوگا کیوں کہ آپ ہمارے درمیان اُس وقت مجلس میں آموجود ہورہے ہیں اس پر کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ کا فساد اظہر من الشّمس ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ پر درود وسلام پڑھنا ایک امر شرعی ہے مگر اسی کو اگر بے موقع پڑھا جائے تو غلط ہوگا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۶ پر یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قریب ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ کہا تو حضرت ابن عمرؓ نے اسے ٹوکا اور فرمایا کہ یہ دونوں ذکر تو ہم بھی پڑھتے ہیں مگر ان کو ان کے موقع ہی پر پڑھتے ہیں۔ اس موقع پر تو ہمیں آقا ﷺ نے فقط الحمدللہ کہنے کی تعلیم فرمائی ہے۔

حضرت شیخ محدث دہلویؒ لمعات میں اس کے تحت لکھتے ہیں: **ينبغي في الذكر والدعاء الاقتصار على المأثور من غير ان يزاد و ينقص فان الزيادة في مثله نقصان في الحقيقة كما لا يزاد في الاذان بعد التهليل محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم.**

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بات جس طرح منقول ہو اس کو اسی طرح نقل کرنا چاہئے۔ اس میں اپنی طرف سے حذف واضافہ بالکل ہی نہیں کرنا چاہئے۔

خود آپ منبر نبوی کا ہی معاملہ دیکھ لیجئے کہ اس کا بننا بھی ایک ضرورت ہی کے پیش نظر تھا۔ طبقات بن سعد میں آیا ہے کہ جب مسلمانوں کی تعداد میں قابل لحاظ اضافہ ہوا تو صحابہؓ نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ بوقت خطبہ وخطاب کھڑے ہونے کے لئے کوئی منبر بنوالیں تو اچھا ہوگا، تو آپ نے کہا بہت بہتر ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اشارہ پاکر میں نے بڑھئی کو ساتھ لیا اور جنگل چلے گئے، وہاں جھاؤ کے درخت کی لکڑی کاٹ کر بڑھئی کے ہاتھ سے ایک منبر بنوایا۔ (وفاء الوفا ص ۳۹۶، ج ۲، تحفۃ القاری، ص ۲۳۷، ج ۳)

اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ جب آپ بھاری جسم کے ہوئے تو حضرت تمیم داریؓ نے کہا کہ آپ کے لئے منبر بنوالیا جائے تو بہتر ہو۔ آپ نے فرمایا بے شک بنوالو۔ چنانچہ منبر بنوالیا گیا۔ (حوالہ مذکور)

منبر بنوانے کی جو بھی وجہ رہی ہو اتنا تو طے ہے کہ کسی ضرورت کے محسوس ہونے پر ہی منبر بنوایا گیا اور وہ اس طرح کہ **فاتخذ له منبراً مرقاتين اى غير المقعدة** کے اس میں مجلس کے علاوہ دو زینے تھے۔ اب جب بعد میں لوگوں کو اس میں اضافہ کی ضرورت پڑی تو جب بننا ضرورتاً جائز ہوا تو اس میں اضافہ کرنا اور مزید زینے بڑھوا کر

اسے اونچا کرنا بھی درست ہوگا مگر جس نے بھی اس میں اضافہ کیا ہے اس میں انہوں نے یہ خیانت نہیں کی ہے کہ یہ کہا ہو کہ آج کا یہ منبر جو اتنے زینوں پر مشتمل ہے یہ رسول اللہ ﷺ ہی کا منبر ہے یعنی اس اضافہ کو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی جانب قطعاً منسوب نہیں کیا ہے بلکہ اپنی طرف منسوب کیا ہے مثلاً علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں لکھا ہے کہ جب خلافت اسلامیہ بنوامیہ کی طرف منتقل ہوئی اور لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو اموی خاندان کے پہلے خلیفہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے مدینہ منورہ کے گورنر مروان بن الحکم کو حکم بھیجا کہ منبر رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرواور اس کے زینوں کو بڑھادو۔ چنانچہ مروان بن الحکم نے بڑھئی کو بلوا کر منبر رسولؐ کے چھ زینے (مجلس سمیت) بنوائے اور اس کو اپنی جانب منسوب کیا۔

عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف عن ابيه ...... الٰى قوله ...... انما امرني ان اكرمه و ارفعه قال: فدعا نجاراً فزاد فيه الزيادة اللتى هو عليها اليوم و وضعه موضعه اليوم و فى رواية له عن ابن قطن قلع مروان بن الحكم منبر رسول اللّٰه و كان درجتين والمجلس و اراد ان يبعث به الى معاوية قال : فكسفت الشمس حتى رأينا النجوم قال : فزاد فيه ست درجات و خطب الناس فقال : انى رفعته حين كثر الناس. (ص۳۹۹،ج۲)

تفصیلاتِ مذکورہ بالا سے معلوم ہوگیا کہ کسی مباح کام کو اس کے درجہ میں رکھ کر ضرورتاً کیا جائے یا بلاضرورت کیا جائے اور اس کو اپنی جانب منسوب کیا جائے یعنی سنت نبوی کا حوالہ نہ دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن اگر اس میں افراط سے کام لیا جائے یا اس کو ضرورۃً کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ علیہ السلام نے اس کو اسی طرح کیا ہے تو پھر یہ سنگین غلطی ہوگی اور عین ممکن ہے کہ یہ **کذب علی رسول اللّٰه** ہوجائے جس میں بصورت تعمد **فليتبوأ مقعدهٗ من النار** کی وعید شدید وارد ہوئی ہے۔

اب ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ ابن قطن کے حوالہ سے وفاء الوفاء کی جو عبارت مذکور ہوئی اس میں **و كان درجتين والمجلس** کا ذکر واضح لفظوں میں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ منبر نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے کل زینے دو تھے اور مجلس جس پر آپ ﷺ بوقت ضرورت بیٹھا کرتے تھے ان دونوں پر مزید تھی۔

اور اگر مجلس کو زینے کے طور پر مان لیا جائے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی حدیث میں **الدرجة الثالثه** کا لفظ آیا ہوا ہے تو پھر کل زینے بشمول مجلس تین ہوں گے۔

علامہ سمہودی نے اپنی کتاب وفاء الوفاء میں کئی مقامات پر متعدد حوالوں سے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً ص۳۹۹ پر ابوداؤد کے حوالہ سے لکھتے ہیں: **و عند ابى داؤد باسنادٍ جيد ان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم لما بدّن قال تميم الدارى : يارسول اللّٰه ألا نتخذ لك منبراً يحمل او يجمع عظامك قال صلى اللّٰه عليه وسلم : بلٰى فاتخذ له منبراً مرقاتين غير المقعدة الخ.**

اورحضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: **و اسند ابن النجار من حدیث انسؓ کان رسول اللّٰہ ﷺ یخطب یوم الجمعة الی جنب خشبة مسنداً ظهره الیها فلما کثر الناس قال: ابنوا لی منبراً فبنوا له منبرا له عتبتان الخ.** (ص۳۹۷)

ان دونوں حوالوں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر شریف کے اصلاً دو ہی زینے تھے،اس کے لئے حضرت انسؓ کی روایت میں ''عتبتان''کا لفظ اور ابوداؤد کی روایت میں ''مرقاتین'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں اس پر اس واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے جس کو بایں الفاظ وعبارت علامہ سمہودی نے ذکر کیا ہے:

و روی یحیی عن ابی الزناد ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یجلس علی المجلس و یضع رجلیه علی الدرجة الثانیة فلما ولّی ابوبکرؓ قام علی الدرجة الثانیة و وضع رجلیه علی الدرجة السفلی فلما ولی عمر قام علی الدرجة السفلٰی و وضع رجلیه علی الارض اذا قعد فلما ولی عثمان فعل ذالك ست ستین من خلافته ثم علا الی موضع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم.

یحیٰ ابوالزناد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں زینوں کے اوپر جو مجلس نبی ہوئی تھی اس پر بیٹھے تھے اور اپنے بابرکت قدموں کو دوسرے زینے پر رکھا کرتے تھے۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو آپ دوسرے زینہ پر کھڑے ہوتے اور بیٹھتے وقت نیچے والے زینے پر قدم رکھتے۔ پھر جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نیچے والے زینے پر کھڑے ہوتے اور بیٹھتے وقت اپنے دونوں قدم زمین پر رکھتے اور حضرت عثمان غنیؓ جب خلیفہ ہوجائے تو اپنی خلافت کے شروع کے چھ سال تو اسی طرح کرتے،جیسا کہ حضرت عمرؓ کرتے،پھر چھ سال بعد نبی کریم ﷺ والا طریقہ اختیار فرمایا۔

اس روایت سے حضرات خلفائے ثلاثہ کا طور وطریقہ منبر پر بوقت خطبہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے کے حوالے سے تو معلوم ہوتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہو پاتا ہے کہ آپ علیہ السلام خطبہ دیتے وقت کہاں کھڑے ہوتے تھے؟ اپنے تئیں اس کو دستیاب کتابوں میں تلاش کیا مگر اس میں کامیاب نہیں ہو پایا،البتہ وہ روایت جس کا حوالہ بقید کتاب،صفحہ اس سے قبل دیا جاچکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ تیسرے زینے پر یعنی جو مجلس تھی اسی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے پھر جب بیٹھنا ہوتا تو اُس سے نیچے اتر کر دوسرے زینے پر قدمین مبارک رکھ دیتے اور مجلس معین ہی پر بیٹھتے تھے۔

اور خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عمل بھی اسی طرف مشعر ہے کیوں کہ ان کا بوقت خطبہ دوسرے درجہ پر کھڑا ہونا اور دونوں خطبوں کے درمیان نیچے درجہ پر قدم رکھنا غایت ادب کی وجہ سے تھا اور غایت ادب کی بات

جبھی برمحل صادق آسکتی ہے کہ آپؐ دوسرے زینے کے اوپر مجلس کی جگہ کھڑے ہورہے ہوں یعنی خطبہ دیتے وقت۔

یہ جو کچھ بھی اوپر قریب کی سطروں میں ذکر کیا گیا ہے واضح لفظوں میں مجھے کہیں نہیں ملا۔لہٰذا اہل علم صاحب بصیرت حضرات سے میری درخواست ہے کہ اگر یہ درست نہیں ہے تو میری رہنمائی فرمائیں، میں آپ کا سدا ممنونِ کرم ہوں گا۔

بہر حال مذکورہ بالا معروضات سے واضح ہوگیا کہ آپ علیہ السلام کے لئے جو منبر بنایا گیا تھا وہ دراصل بشمول مجلس دوزینے کا تھا، لہٰذا کسی بھی صاحب علم کا یہ کہنا کہ اس میں تین زینے تھے اور مجلس مستقل تھی درست نہیں ہے۔

اور رہی بات حضرت جابر اور کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی جس میں الدرجة الثالثة کا ذکر آیا ہے یہ تغلیباً ہے اور علامہ سمہودی نے بھی یہی اس کی تعبیر کی ہے۔آپ کے الفاظ ہیں **و يمكن حمله على انه صلى الله عليه وسلم ارتقى حينئذ على المجلس و هى الدرجة الثالثه.** (وفاء الوفا ص ۴۰۱، ج ۲)

جب تین زینے اور الگ سے مستقلاً مجلس کے ہونے کی بات درست نہیں ہے تو پھر اپنے عمل کو کہ آپ اپنی مسجد کے منبر تین زینوں اور مستقلاً مجلس کے بنوائیں اور اس کو رسول اللہ ﷺ کے عمل کی طرف منسوب کریں یہ کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟

البتہ میری یہ طویل سمع خراشی کا مقصد کوئی یہ نہ جانے کہ میں مستقلاً تین زینوں اور ان پر الگ سے مجلس والا منبر بنوانے کو ناجائز قرار دیتا ہوں، حاشا وکلاّ میں کون اور میری بساط کیا؟ جب کہ اسلاف واکابر کی حیات اور عمل میں تین سے زائد زینوں کے منبر بنوانے کا ذکر بہ صراحت مل رہا ہے۔

بس اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت فرمائیں۔



جامعہ کی سرگرمیاں

✦ مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی/استاذ حدیث جامعہ هذا

تعطیل عید الاضحیٰ : عیدِ قرباں کے پیشِ نظر جامعہ میں ۹/تا ۱۷/ذی الحجہ تعطیل کلاں رہی۔ بیش تر طلبہ اپنے اپنے وطن چلے گئے۔ کچھ طلبہ کا قیام جامعہ میں ہی رہا، جن کے طعام کا انتظام جامعہ ہی میں رہا۔

جامعہ میں قربانی کا نظم : حسبِ سابق عیدِ قرباں کے موقع پر جامعہ میں ایک پانچ رکنی کمیٹی کے تحت جس کے نگراں جناب زعیم عابد صاحب استاذ جامعہ مقرر کئے گئے تھے، قربانی کا معقول بندوبست رہا۔ کٹڑے اور بکرے بڑی تعداد میں ذبح ہوئے۔ قربانی کا گوشت حکم شریعت کے مطابق تقسیم کر دیا گیا۔ تینوں دن قربانی ہوئی۔

طلبہ کی واپسی : تعطیلِ کلاں پوری ہوتے ہی طلبہ جامعہ میں واپس آ گئے اور سنیچر ۱۸/ذی الحجہ سے تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مطبخ بھی جاری کر دیا گیا، امدادِ طعام سے مستفید ہونے والے طلبہ دونوں وقت استفادہ کرنے لگے۔

درس گاہ کی توسیع : عربی پنجم (موقوف علیہ) میں طلبہ کی کثیر تعداد کے پیشِ نظر درسگاہ عربی پنجم کی توسیع عمل میں آئی۔ دو کمروں کو ملا کر ایک وسیع ہال تیار کیا گیا، جس میں اب متذکرہ بالا جماعت کی تعلیم ہو رہی ہے۔

کتب خانہ کی توسیع : جامعہ میں الحمدللہ کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ تقریباً ہر اہم موضوع پر قیمتی کتابیں دستیاب ہیں۔ ان کتابوں کے لئے جامعہ کی نئی عمارت ''انور ہال'' میں دو کمرے تجویز کئے گئے تھے، مگر گزرتے وقت کے ساتھ ہی لائبریری کے لئے یہ دونوں کمرے بھی ناکافی ثابت ہوئے۔ کتابوں کی فراوانی لائبریری کی توسیع کا تقاضا کر رہی تھی۔ اس اہم ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے لائبریری کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہاں بھی دو کمروں کو ملا کر ایک کشادہ ہال تیار کر دیا گیا، جہاں کتابوں کی ترتیب اور فن وار سیٹنگ کا کام جاری ہے۔

دارالحدیث کی تعمیری سرگرمیاں جاری : جامعہ کا دارالحدیث آہستہ آہستہ قریب بہ تکمیل ہے۔ زیریں حصہ میں پتھر لگنے کا کام پہلے ہی مکمل ہو چکا تھا، اب اس کی گھسائی کا کام چل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پہلی منزل پر چند کمروں کی پی او پی بھی ہو چکی ہے۔ پتھروں کی گھسائی سے فراغت کے بعد زینے پر بھی تنصیب کا کام شروع ہوگا۔ مغربی جانب کے زینے پر پچھلے سال ہی سنگ مرمر لگا دیا گیا تھا۔ مشرقی زینے پر پتھر کی تنصیب کا یہ عمل جلد ہی شروع ہوگا۔ واضح رہے کہ تمام درس گاہیں اور دفاتر اسی عمارت میں ہیں۔ البتہ شعبۂ کمپیوٹر قدیم عمارت میں اپنا کام کر رہا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم بستوی کا انتقال : دارالعلوم دیوبند کے قدیم استاذ حضرت مولانا عبدالرحیم بستوی کا ۹ ستمبر کو انتقال ہوگیا۔ وہ کئی ماہ سے سخت علیل چل رہے تھے۔ ان کے انتقال کی خبر پر جامعہ میں قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کیا گیا۔ مولانا مرحوم اسلاف کی روایات کے امین اور عمدہ اخلاق کے حامل تھے۔ جامعہ کے بے حد قدرداں، کئی امتحانات میں تشریف لا کر انہوں نے طلبہ کا تعلیمی جائزہ لیا تھا اور مفید مشوروں سے نوازا تھا۔ ماہنامہ محدث عصر کا انتظار کرتے اور اس کی خوب پذیرائی کرتے۔ حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ نے ان کے انتقال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت فرمایا۔

مولانا عبدالرشید بستوی کی والدہ کے لئے دعائے مغفرت : ۲/ اکتوبر کو جامعہ کے سینئر استاذ حدیث محترم جناب مولانا عبدالرشید بستوی کی والدہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور کشادہ دست تھیں۔ مولانا بستوی نے خبر پا کر دیوبند سے روانگی کی اور والدہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ جنازہ انہوں نے ہی پڑھایا۔ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے ۳/ اکتوبر کو تمام طلبہ اور اساتذہ نے قرآن خوانی کی۔ جامعہ کے استاذ حدیث مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی نے دعاء کرائی۔ حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم اور تمام اساتذۂ جامعہ نے مولانا بستوی کو تعزیتِ مسنونہ پیش کی۔

مولانا محمد عثمان دیوبندی کے والد کی رحلت : جامعہ کے ایک دیگر استاذ محترم جناب مولانا محمد عثمان دیوبندی کے والد محترم جناب عبداللہ عثمانی کا ۱۷/ اکتوبر کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ مرحوم دیوبند کے ملنسار اور خوش اخلاق لوگوں میں تھے۔ ان کی رحلت کی خبر سے اساتذہ اور طلبہ غم واندوہ میں ڈوب گئے۔ ان کی مغفرت کے لئے قرآن خوانی وایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب کا سانحۂ ارتحال : بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین امیر شریعت بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ۱۷/ اکتوبر کو انتقال ہوگیا۔ مولانا درازعمر اور بلند پایہ عالم دین تھے۔ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ سے کوما میں تھے۔ مرحوم کے لئے جامعہ میں دعاء کرائی گئی اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔ امیر شریعت امارت شرعیہ پٹنہ (بہار) سے ایک طویل عرصہ سے وابستہ تھے۔ اس دوران انہوں نے

نظامت اور امارت سمیت متعدد مناصب کو زینت بخشی۔ وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ارکان تاسیسی میں تھے اور تاحیات اس کے جنرل سکریٹری رہے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں ان کی بھی رکنیت رہی۔ ان کے انتقال پر حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا ایک وسیع النظر عالم دین، نہایت زیرک اور دانش مند، اسلامی اقدار اور روایات کے پاسباں، نیز قدر آور رہنما تھے۔ انہوں نے نازک مواقع پر اسلامیانِ ہند کی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے راہنمائی کی، جب کبھی مسلم پرسنل لاء بورڈ پر کوئی آنچ آئی تو وہ بے تاب ہوجاتے، عاملہ بلاتے اور اربابِ حل وعقد سے باہم صلاح ومشورہ کے بعد رائے عامہ ہموار کرتے اور ہر ایسے قانون کو ختم کرانے کی جدوجہد کرتے جو مسلم پرسنل لاء کے متصادم ہوتا۔ حق جل مجدہٗ ان کی دینی وملی خدمات کو قبول فرمائے۔

حق جل مجدہٗ ان تمام مرحومین کو غریقِ رحمت فرمائے اور جنت الفردوس میں ٹھکانہ بخشے۔ آمین

گاؤ کشی کے بہانے غارت گری دستور ہند کے لئے خطرہ : رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دام ظلہم نے امریکی وزیر خارجہ کی حالیہ رپورٹ پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اب عالمی پیمانے پر یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جمہوری ملک میں اقلیتی طبقہ کے ساتھ امتیازی سلوک کا رویہ اپنایا جارہا ہے۔ جس کی طرف امریکی صدر براک اوباما نے بھی دورۂ ہند کے اختتام پر اشارہ کیا تھا۔ فرقہ پرست لیڈران کے ذریعے اور انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے اب گاؤ کشی کے نام پر اقلیتی طبقہ کو ہراساں کیا جانا اور ایک منظّم سازش کے تحت قتل اس جمہوری ملک کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔ حضرت مدظلہٗ نے یہ باتیں بیت الحکمت میں منعقدہ میٹنگ میں ارشاد فرمائیں۔ یہ مجلس تنظیم علماء ہند کے بینر تلے منعقد ہوئی تھی۔ آپ نے فرقہ وارانہ فسادات اور زعفرانی لیڈران کے شر انگیز بیانات کو ملکی مصالح کے خلاف بتایا اور فرمایا کہ اس طرح کی حرکتیں شرمناک ہیں۔ ان سے دستور ہند کے مسخ ہوجانے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔



ہوا کے دوش پر

✦ رضوان سلمانی، دیوبند

راجستھان کی صوبائی حکومت نے عیدالاضحیٰ کے دن اسکولوں وکالجوں میں خون کا عطیہ کیمپ منعقد کرنے کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں میں حاضری کو صدفی صد لازمی قرار دینے کے فرمان کی چہار سو مذمت کی جارہی ہے۔اس سلسلے میں سیاسی، سماجی، مذہبی شخصیات نے راجستھان کی بی جے پی حکومت کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کے مذہبی آئینی حقوق کی پامالی قرار دیا ہے اور مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ راجستھان کی صوبائی سرکار کے غیر آئینی اعلان کا نوٹس لیتے ہوئے ہندوستان میں رہنے والے تمام مذاہب کے آئینی حقوق کی پاسداری کرنے کا پابند بنائے۔اس سلسلے میں دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سید احمد خضر شاہ راجستھان کی بی جے پی حکومت کے متعصّبانہ فیصلہ پر اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ دین دیال اپادھیائے کی جینتی منانے کا کوئی شخص مخالف نہیں ہوسکتا لیکن اگر کسی مذہبی فرقہ کے جذبات مجروح کرنے کے ساتھ ان کے آئینی حقوق کو نظر انداز کرکے خاص تہوار کے دن ان کی حاضری کو لازمی قرار دیا جائے تو یہ سراسر غیر آئینی اور متعصّبانہ سوچ کا عکاس ہے۔انہوں نے کہا کہ حیرت کی بات ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر پورے ملک میں ہونے والی گزیٹیڈ چھٹی کو ختم کرنے کا کیا جواز پیش کیا گیا؟ تنظیم علمائے ہند کے ریاستی صدر مولانا ندیم الواجدی نے راجستھانی حکومت کے اس فیصلے پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب سے مرکز اور بعض ریاستوں میں بی جے پی برسراقتدار آئی ہے اس وقت سے مسلسل ایسے حکم جاری کئے جارہے ہیں جن سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی ہو۔راجستھان کی بی جے پی کی حکومت کے تازہ فیصلے میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل ختم کرکے 25/ستمبر کو تمام سرکاری اور نجی اسکولوں وکالجوں میں خون عطیہ کیمپ منعقد کرانے کا فیصلہ کیا ہے اس فیصلہ سے راجستھان کے مسلمانوں کو عید کی نماز اور قربانی کی ادائیگی میں کس قدر دشواری اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔راجستھان کی حکومت کا یہ فیصلہ انتہائی بدبختانہ اور تعصب پر مبنی ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ القرا قاری ابوالحسن اعظمی کو عالم رابطہ الاسلامی مکہ مکرمہ کی عالمی مجلس شیوخ الاقراء کا ممبر نامزد کئے جانے پر دینی حلقوں میں خوشی کا اظہار کیا جارہا ہے۔علماء کا کہنا ہے کہ ان کی اس نامزدگی سے رابطہ عالم اسلامی کو تقویت پہونچے گی اور عالمی پیمانے پر قاری صاحب اپنے تجربات سے قرآن کے آفاقی پیغام کو پھیلانے میں کلیدی کردار ادا کریں گے۔قاری ابوالحسن اعظمی کے ممبر منتخب ہونے پر دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ قاری ابوالحسن اعظمی گزشتہ پچاس سالوں سے قرآن وتجوید کی جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ ناقابل فراموش ہے آج موصوف کا نام پوری دنیا میں روشن ہے۔دنیا کے بڑے قاریوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔انہوں نے کہا کہ قاری صاحب اپنے فن میں امتیازی شان رکھتے ہیں جس پر ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے خدمت فن میں سرگرم ان کے شاگردوں کا سلسلہ چل رہا ہے۔انہوں نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ موصوف کی ذات وصفات اوران کی تعلیمات ملک اور بیرون ملک میں جو وزن اور وقعت حاصل ہے وہ موجودہ ہندوستان میں دور دور تک نظر نہیں آتا۔انہوں نے کہا کہ قاری صاحب کا فن تجوید وقرات سے آپ کا والہانہ تعلق اور بے پناہ شوق وانہماک اوراس کی تدریسی وتصنیفی خدمات اوراس فن کو عام کرنے کے مخلصانہ جذبہ میں موصوف قاری صاحب اپنی مثال آپ ہیں۔انہوں نے کہا کہ قاری صاحب کی اس نامزدگی سے نہ صرف رابطہ عالمی اسلامی کو مضبوطی فراہم ہوگی بلکہ ان کے طویل تجربات کی وجہ سے قرآن وتجوید کو عالمی سطح پر ایک نئی جہت عطا ہوگی۔

